حدیث رسولؐ کے نام پر

دھوکہ کیوں؟

ڈاکٹر قمر زمان

سلسلۂ دعوتِ قرآنی ۶

حدیث رسول کے نام پر

دھوکہ کیوں؟

ڈاکٹر قمر زمان

نام کتاب	____________	حدیث رسول کے نام پر دھوکہ کیوں؟
نام مصنف	____________	ڈاکٹر قمر زمان
اشاعت اوّل	____________	جنوری 1997ء
تعداد	____________	300
اشاعت ثانی	____________	اپریل 1998ء
تعداد	____________	1000
اشاعت سوئم	____________	فروری 2001ء
تعداد	____________	1000

PUBLISHED BY:

سلسلہ دعوت قرآنی

پوسٹ بکس نمبر 11037 لاہور۔ پاکستان

Phone # +92 331 4851184

WWW.AASTANA.COM

پیش لفظ

سلسلہ دعوت قرآنی نہ تو کسی فرقے سے متعلق ہے اور نہ ہی کسی شخصیت یا اس کے افکار کی دعوت کا نام ہے۔ اس کے برعکس سلسلہ دعوت قرآنی ان کوششوں میں سے ایک کوشش ہے جو ہر دور میں اللہ کے بندے قرآن کی طرف بلانے کے لیے کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کی تعلیمات سے دور رکھنے کے لیے طاغوت نہ صرف کھل کر سامنے سے وار کرتا ہے بلکہ چھپ کر پیٹھ میں بھی چھرا گھونپتا ہے۔ مسلمانوں کی صفوں میں نہ صرف عوام میں مقبول عام ہوتا ہے بلکہ علماء کی بھی آواز بن جاتا ہے اور یہ وار بہت کاری ہوتا ہے کیونکہ مسلمانوں کی اپنی صفوں میں سے ہوتا ہے۔

طاغوت کا وار سب سے پہلے اس تعلیم کی ترویج ہوتی ہے جو عوام کو نہایت معتبر اور خوشنما لگے، جس سے لوگ خود بخود قرآن سے دور ہو جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے وہ چند حربے استعمال کرتا ہے۔

سب سے پہلے رسول کی شخصیت کو اجاگر کرتا ہے اور اللہ کے کلام کو رسول کی شخصیت کے ماتحت کر دیتا ہے جس سے اللہ کے احکامات کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو یہ مقصد حاصل ہو جائے تو پھر بعد کی راہیں خود بخود آسان ہو جاتی ہیں۔

رسول کی شخصیت کیونکہ موجود نہیں ہوتی اس لیے اب اس کو رسول سے منسوب کرنے کے لیے اقوال چاہئیں۔ صرف رسول کی شخصیت کے خالی نعرے سے تو کلام اللہ کو ختم نہیں کیا جا سکتا اس لیے اب رسول کے نام پر روایات گھڑ کر رسول سے منسوب کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کے زمانے میں آپ کو کلام اللہ کے علاوہ کوئی کتاب نہیں ملتی۔ رسول سے منسوب اقوال کئی صدیوں کے بعد ہی وجود میں آتے ہیں کیونکہ رسول کی دی ہوئی تربیت میں صرف اللہ کے کلام کی اہمیت ہوتی ہے

اور رسول کی ذمہ داری کلام اللہ کے مطابق ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کی ہوتی ہے اس لیے رسول کی تربیت کا اثر کئی کئی صدیوں پر محیط ہوتا ہے اور معاشرہ کی بنیادیں ہلتے ہلتے ہی ہلتی ہیں، ایسا نہیں ہوا کرتا جیسا احادیث میں آتا ہے کہ ابھی رسالت مآب کا جنازہ بھی نہ اٹھنے پایا تھا کہ مہاجر و انصار خلافت کے منصب کے لیے لڑ پڑے۔ دیکھ لیجئے اس حدیث کے زیر اثر مسلمانوں میں حکمرانی کے لیے لڑائی جھگڑے نے کیسا رواج پالیا ہے کیونکہ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ آپ اصحاب کو آئیڈیل سمجھتے ہیں ان کی غلط باتوں کو بھی غیر شعوری طور پر قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔

اگلے مرحلے میں انہی مقدس اقوال میں بھی غلطیاں نکالی جاتی ہیں اور اس تعلیم کو مشکوک بنا کر زیر بحث لایا جاتا ہے اس طرح موضوع و متروک کی بحث سے وہ لوگ سامنے آتے ہیں جو محدثین کہلاتے ہیں، فن حدیث کا علم وجود میں آتا ہے۔ یہی حضرات حدیث پر حرف آخر ہوتے ہیں جس حدیث کو صحیح کہہ دیا، صحیح مان لی گئی اور جس کو غلط کہہ دیا وہ غلط ہوگئی۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے رسول سے منسوب اقوال کئی صدیوں کے بعد لوگوں کی سنی سنائی کہانیوں پر مبنی ہوتے ہیں اس لیے ان لوگوں کو بھی قابل بھروسہ ثابت کرنا ضروری ہو جاتا ہے جن سے یہ اقوال بطور روای منسوب ہوتے ہیں یعنی اب راویوں کے کردار کو بھی قابل بھروسہ ثابت کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے لہذا اسماء الرجال کا فن وجود میں آتا ہے پھر اسماء الرجال پر بحث و مباحثہ شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کو پس پشت ڈالنے کے بعد کتنے پاپڑ بیلنے پڑے نتیجتاً اب قرآن تو بہت پیچھے چلا گیا ہے اور وہ روایات جو خود گھڑ کر رسالت مآب کی طرف منسوب کی گئیں اور جو قرآن کو سمجھنے کے لیے وجود میں آئیں تھیں خود ہی مشکوک ہوگئیں۔ رسول سے منسوب کردہ تعلیم میں صحیح اور غلط کا تعین تو ممکن نہیں اس لیے اب کوئی بات حتمی اور یقینی نہ رہی۔ اسی لیے ہر قول کو کہنے کے بعد "قال او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یا جیسا رسالت مآب نے کہا ہو" کہنا ضروری ہو جاتا ہے۔ عجیب مضحکہ خیز سی حالت ہو جاتی ہے کہ کہنے والا جھوٹ بھی بول رہا ہے اور اللہ سے ڈرتا بھی جاتا ہے کہ اگر یہ بات غلط ہے تو

میں تو اس سے بری الذمہ ہوں لیکن اس بات سے باز نہیں آتا کہ ان روایات کو بیان ہی نہ کرے بلکہ سو فیصد یقینی اور حتمی کلام اللہ پر ہی اکتفاء کرے۔

آگے چلئے اب اسی پر ہی اکتفاء نہیں ہوگا کہ چلو محدثین کی تعلیمات پر ہی صحیح اور غلط کو متعین کرلیا جائے بلکہ اب شخصیات کی الگ الگ رائے کی بنیاد پر الگ الگ مسلک کا قیام عمل میں آتا ہے۔ اس لیے فقہاء اور علماء کی تعلیم کو اہمیت ملنی شروع ہو جاتی ہے اور اس مرحلے پر قرآن ان غیر قرآنی تعلیمات کے تضادات کی وجہ سے اتنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اسکی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا بلکہ امت صرف شخصیات سے منسوب مسلک کے پیچھے لگ جاتی ہے اور عوام کے ذہنوں میں قرآن کے متعلق یہ تصور راسخ کر دیا جاتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء اور فقہاء قرآن کو نہ سمجھ سکے اور آپس میں اختلاف کرتے رہے تو تم کیا قرآن کو سمجھو گے؟ بلکہ اس کے برعکس ان کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کی کوشش میں تمہارے گمراہ ہونے کے زیادہ مواقع ہیں۔

اب معاشرہ کے مسائل کا حل شخصیات کی تعلیمات پر مبنی احکامات میں تلاش کیا جاتا ہے اور اگر مسئلہ حل طلب ہو تو بجائے اسکے کہ صحیح اور غلط کا پیمانہ قرآن بنایا جائے رجوع ان فقہاء کی تعلیمات کی طرف ہی کیا جاتا ہے کہ فلاں عالم نے اس اختلاف کے متعلق یہ رائے دی تھی۔ اس طرح اب رسول اللہ کی شخصیت بھی پس پشت ڈال دی جاتی ہے اور شخصیات کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ ان شخصیات کی بنیاد پر امت کا شیرازہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور شخصیات کی تعلیمات پر مبنی فرقے پر فرقے بنتے چلے جاتے ہیں۔ کسی کو ہوش نہیں کہ وہ واپس قرآن کی طرف پلٹ جائے اور دیکھ لے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اگلے مرحلے میں مفتی صاحبان سامنے آتے ہیں اگر کسی مسئلہ کا حل کسی مسلک کے فقیہ یا عالم نے نہیں دیا تھا تو اب اس مسلک کی تعلیمات پر عمل پیرا مذہبی پیشوا نئے دور کے نئے تقاضوں کی وجہ سے پیدا شدہ نئے مسائل کا حل ڈھونڈتے ہیں ان کو عرف عام میں مفتی کہا جاتا ہے۔ مفتی

صاحبان حل پیش کرتے ہیں اور وہ ایسی پتھر کی لکیر ہوتی ہے کہ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے ان کا فتویٰ اٹل ہوتا ہے۔

اسی روش کے حوالے سے اللہ پاک نے یہود کی مثال دے کر سمجھایا تھا کہ تم کہیں انکی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے قانون سازی کی اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر کے کہا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے۔آیت قرآن ملاحظہ فرمائیے۔

" فویل للذین یکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عنداللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون"

(ناکامی ونامرادی ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنے ہاتھوں سے الکتاب کو لکھتے ہیں اور پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ وہ تھوڑے سے مال کے بدلے اسے بیچ سکیں۔تو ایسے لوگوں کے لیے نہ صرف اس چیز سے جو انہوں نے لکھی ناکامی اور نامرادی ہے بلکہ اس کمائی میں بھی ناکامی اور نامرادی ہے جو انہوں نے کمائی۔(البقرہ:79)

یہود کی طرح مسلمانوں میں بھی فتویٰ سازی کا شرک اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ موجود ہے۔ہر گلی کوچے میں ایک مفتی کی دوکان کھلی ہوئی ہے۔وہ کسی نہ کسی مسجد یا مدرسے سے اپنا فتویٰ جاری کرتا رہتا ہے اور امت کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ قرآن مشکل ترین چیز ہے اسی لیے یہ صرف چند علماء حضرات ہی سمجھ سکتے ہیں اور ہم جو بھی فتویٰ دیں گے وہی صحیح ترین ہے۔

قرآن کو خالص قرآنی معانی ومفاہیم کے تحت سمجھنے اور مسلم امت کو واپس قرآن کی طرف لانے کے لیے سلسلہ دعوت قرآنی نے دو کتابچے چھاپے تھے جن کے نام "حقیقت حدیث" اور "سرچشمہ ہدایت صرف قرآن " تھے۔ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے ان کتابوں پر اپنی تنقید" حدیث رسول سے عداوت کیوں" میں فرمائی ہے جو مدرسہ ناصر العلوم (اس مدرسہ کا نام بھی ایک محترم شخصیت کے نام پر رکھا گیا ہے) مانگا منڈی ضلع لاہور فون 383236 نے شائع کی ہے۔

محترم ڈاکٹر عبدالواحد صاحب نے ان لغویات اور جھوٹی روایات کو سچ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جن کو پیش کرنے کے بعد وہ خود یہ کہنے پر مجبور ہیں۔

"قال او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلم (یا جیسے رسالت مآب نے کہا ہو)

مفتی صاحب کے کتابچے کا جواب حاضر ہے۔ ہماری ہر پڑھنے والے سے درخواست ہے کہ وہ بخاری یا مسلم کا خود مطالعہ کرے اور اگر ہمت ہو تو اپنی بیوی، بیٹی اور بہن کو بٹھا کر سنائے۔ اگر پوری سنانے کی ہمت نہ ہو تو صرف کتاب الطہارہ یا کتاب الغسل ہی سنا دے۔ پھر اگر اس کا سر شرم سے جھک جائے تو خود سوچ لے کہ بخاری اور مسلم حضرات نے دین اسلام کے ساتھ کیسے کیسے ہاتھ کئے ہیں۔

مفتی صاحب کے کتابچے میں محترم حافظ عبدالحمید فاروقی خطیب جامع مسجد الحسن مدرسہ ناصر العلوم نے پیش لفظ میں بخاری اور مسلم وغیرہ کی کتب احادیث کی وکالت کرتے ہوئے قرآن کو ناقص ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

"قرآن میں اصول وضوابط تو ہیں مگر فروع اور انکی تشریحات نہیں اور یہ امور حدیث کو ماننے سے ہی طے پاتے ہیں"

ہمارا موٴقف تو یہ ہے کہ وہ قصے کہانیاں جو بخاری اور مسلم کی کتب کی زینت ہیں اگر علماء حضرات اور محدثین کی نظر میں بھی رسالت مآب کے الفاظ نہیں ہیں اور مفہوم کے متعلق بھی حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جس انداز سے بخاری اور مسلم وغیرہ نے اپنی کتب میں درج کیا ہے وہی مفہوم رسالتمآب کا تھا تو کوئی ایسا لفظ جو رسالتمآب نے ادا ہی نہیں کیا یا کوئی ایسا مفہوم جو رسالتمآب کا نہیں ہے، رسالتمآب سے منسوب کر کے اللہ کے حتمی کلام کی تشریح کرنا اور فروعات کو جنم دینا اپنے لیے جہنم میں جگہ بنانا ہے جب کہ رسولوں کے وہ تمام اقوال جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مناسب سمجھے خود ہی

قرآن میں محفوظ فرما دیے۔ اللہ نے نہ تو اپنے کلام کو بخاری اور مسلم کا محتاج بنایا نہ ہی آخرت میں بخاری اور مسلم وغیرہ کے لیے موقع فراہم کیا کہ وہ رسالتماب پر یہ احسان جتائیں کہ "جو کام رسالتماب ادھورا چھوڑ گئے تھے وہ انہوں نے مکمل کیا"

یقین جانیے اللہ کی حکمت یہ نہیں کہ امت کا کوئی انسان اٹھ کر اللہ یا اس کے رسول پر احسان جتائے کہ اس نے وہ کام کر دکھایا جسے اللہ یا اس کے رسول نے ادھورا چھوڑا۔

آپ کی نظر میں کلام اللہ کی اتنی اہمیت بھی نہیں جتنی آپ نے اپنے پیر و مرشد کے کلام کو اہمیت دے رکھی ہے۔ کیا کبھی آپ نے اپنے کسی پیر و مرشد کے کلام کو کسی لحاظ سے ناقص کہا ہے ؟ آپ کو تو اگر نقص نظر آتا ہے تو صرف کلام اللہ میں ہی نظر آتا ہے۔ اسی میں آپ کو نہ تشریح ملتی ہے نہ تفسیر اور نہ وہ آپکی نظر میں مکمل ہے۔ آپ لوگوں کو اگر عداوت کرنی ہے تو انسانی کلام سے عداوت کریئے قرآن کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور قرآن میں ہر قسم کا نقص بھی تلاش کرتے ہیں۔

اگر آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم رسالتماب کو صرف ڈاکیا سمجھتے ہیں تو آپ نے اپنی طرف سے ایک اور جھوٹ بولا ہے۔ اور آپ منصب رسالت کی گرد کو بھی نہ پہچان سکے۔

نبوت و رسالت کے فرائض منصبی سے آپ واقف ہی نہیں ان بندوں میں جن کو اللہ نبوت اور رسالت کے لیے چنتا ہے کیا کیا خصوصیات ہوتی ہیں آپ کو معلوم ہی نہیں۔ اور یہ صرف اس وجہ سے کہ آپ نے قرآن کو پس پشت ڈال کر انسانوں کے کلام پر تکیہ کیا ہوا ہے۔

آپ کے لیے اشارتاً عرض ہے کہ نبوت اور رسالت کا منصب ایک عظیم مقصد لیے ہوتا ہے جس کی مکمل تیاری کے بعد اللہ چناؤ فرماتے ہیں سیدنا موسیٰ کے حوالے سے اللہ فرماتے ہیں "موسیٰ اب تم اس پیمانہ پر پہنچے ہو کہ ہم نے تم کو اپنے لیے چن لیا" (طٰہٰ: 41)

آپ علماء حضرات کا موقف قرآن کا کھلا کفر ہے جب آپ یہ فرماتے ہیں کہ "قرآن کریم میں اصول وضوابط ہیں مگر فروعات اوران کی تشریحات نہیں"

جی ہاں پھر سن لیجئے کہ آپ کا یہ کہنا کہ اللہ کا کلام فرع وشرح کے لحاظ سے خود مکتفی نہیں قرآن کا کھلا کفر ہے۔

اللہ تبارک وتعالی کا اعلان ہے کہ قرآن نہ صرف مکمل ہے بلکہ مفصل بھی اور "تبیانا لکل شئی" (النحل:89) ہر شے کے بیان کے ساتھ مفصل ہے۔ جس کی تفصیل بھی اللہ نے اپنے علم کی بنیاد پر کی ہے "فصلنه علی علم "(اعراف:52) اور جس میں "احسن تفسیر" (فرقان:33) موجود ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ اللہ جو خالق کائنات ہے ہماری تمام تر خلقت سے واقف ہے وہ ہمارے لیے جب کتاب نازل کرتا ہے تو آپ لوگوں کی رائے میں نامکمل ہوتی ہے اور انسانوں کی کہانیاں جو ناقص ہوتی ہیں آپ کو نہ صرف مکمل بلکہ اللہ کے کلام کو بھی مکمل کرتی نظر آتی ہیں۔ آپ کو انسانوں کی دی ہوئی کہانیوں سے اتنی محبت ہے کہ ان کے سامنے اللہ کے کلام کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ آپ کی نظر سے اللہ کے کلام کی یہ آیت بھی نہیں گزری جس میں اللہ نے اپنے کلام کو ایک شجر طیبہ کی مثال دے کر سمجھایا کہ

"اس کلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شجر طیبہ ہو کہ جس کی جڑیں زمین میں گہری گڑی ہوں اور جس کی فروعات آسمان کو چھو رہی ہوں (ابراہیم: 24)

یعنی اللہ کا کلام اصولوں کے لحاظ سے بھی بہت مضبوط اور فروعات کے لحاظ سے بھی اسکی پہنچ انتہائی بلند ہے۔ اس لیے آپ کا یہ کہنا کہ قرآن میں فروعات نہیں اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ لوگ کیونکہ انسانی کلام پر بھروسہ کرتے ہیں اس لیے قرآن سے نابلد ہیں اللہ نے اپنے کلام کی

جو صفات بیان فرمائی ہیں وہ بھی آپ کو معلوم نہیں۔

اس لیے سب سی پہلے تو یہ متعین کرنا ہوگا کہ اللہ کا کلام خود مکتفی ہے یا اللہ کے کلام کی تکمیل بخاری اور مسلم کی احادیث کرتی ہیں۔ اور اگر اللہ کا کلام خود مکتفی ہے تو اللہ کی آیات کا اطلاق بخاری اور مسلم یا کسی بھی انسان کے بیان کردہ مفاہیم پر نہیں ہوگا بلکہ قرآن کے اندر ہی دیکھنا ہوگا۔

اس لیے اگر آپ کا موٴقف یہ ہے کہ اللہ کا کلام خود مکتفی نہیں تو ہماری اور آپ کی راہیں بالکل الگ ہیں ہم اللہ کے کلام کو ہر لحاظ سے مکمل اور مفصل جانتے ہیں اس میں کسی قسم کی کمی یا کجی کا تصور ہی نہیں کرتے اور اس کو کسی بخاری یا مسلم کی کاوشوں کا محتاج نہیں سمجھتے۔

محترم فاروقی صاحب نے سورۃ النساء کی آیت نمبر 56 کا حوالہ بھی دیا ہے جس میں حکم ہوا "فلاوربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوافی انفسم حرجا مماقضیت ویسلواتسلیما"

تمہارا رب گواہ ہے کہ وہ مومن ہی نہیں جب تک آپ کو ہر جھگڑے کے لیے جو ان میں اٹھے حکم تسلیم کرلیں اور پھر آپ کے فیصلے کے متعلق دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں اور ان کا رویہ تسلیم کا ہو۔

فاروقی صاحب نے ان آیات سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ رسول کو کیونکہ اس آیت میں ہر جھگڑے میں منصف کی حیثیت سے تسلیم کرنا ہے اس لیے رسول سے منسوب جو کچھ بھی جھوٹ سچ ہے وہ ہمارے لیے ماننا ضروری ہے۔

آج اسلام کو ایک زندہ دین کی حیثیت سے نہیں لیا جاتا اس لیے کہانی قصوں سے کام چلایا جاتا ہے۔ کسی بھی انصاف کے لیے ایک زندہ منصف کی ضرورت ہوتی ہے جو اصول واقدار کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلے صادر کرے۔ بغرض محال اگر آپ فیصلہ بخاری اور مسلم کی احادیث پر ہی رکھ کر کرنا

چاہیں تب بھی ایک ایسے شخص کی ضرورت پڑے گی جو یہ فیصلہ کرے گا کہ کون سی حدیث کے تحت فیصلہ کیا جائے۔یعنی جہاں تک منصف کی ضرورت ہے تو وہ ایک زندہ وموجود ہستی ہی ہو گا اب رہا یہ کہ ہم کن اصول وبنیادوں پر فیصلہ کریں تو ہماری نظر میں قرآن کے سامنے کسی اور اصول یا بنیاد کی کوئی اہمیت نہیں اس لیے کہ اللہ فیصلوں کی بنیاد صرف کلام اللہ کو فرماتے ہیں۔ملاحظہ فرمایئے۔

"فبعث الله النبیین مبشرین ومنذرین وانزل معهم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیه"

پس اللہ نے نبیوں کو خوشخبری دینے والے اور انذار کرنے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ الکتب اتاری تاکہ یہ الکتب لوگوں کے درمیان ان کے اختلاف کا فیصلہ کرے۔(البقرہ:213)

دیکھ لیجئے "لیحکم" سے معلوم ہو گیا کہ الکتاب فیصلہ کرے گی۔اللہ نے "لیحکموا" نہیں کہا کہ کہیں آپ اس کو پھر نبیوں کی طرف نہ منسوب کر دیں۔

اس لیے مذکورہ سورۃ النساء کی آیت نمبر 56 میں "یحکموک" میں ضمیر مفعولی "ک" کا مرجع رسالتماب کی ذات بطور منصف ہے نہ کہ ڈھائی سو سال کے بعد لکھی جانے والی کہانیاں۔

محترم مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کے کتابچے "حدیث رسول سے عداوت کیوں؟" کا جواب دینے سے پہلے اسے من عن پیش کر رہے ہیں تاکہ آپ کو مفتی صاحب کا کتابچہ ڈھونڈنے میں دشواری نہ ہو اور نہ صرف یہ کہ آپ کو بھی یہ معلوم ہو جائے کہ بخاری اور مسلم کی کہانیوں کو سچا ثابت کرنے میں علماء جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں کتنا وزن ہے بلکہ آپ کو یہ فیصلہ کرنے میں بھی آسانی ہو جائے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

جو لوگ احادیث کو تسلیم کیے بغیر دعوت الی القرآن کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ درحقیقت کلمہ الحق ارید بہا الباطل کا مصداق ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں اصول و ضوابط تو ہیں مگر فروع اور ان کی تشریحات نہیں۔ اور یہ امور حدیث کو ماننے سے ہی طے پاتے ہیں۔ منکرین حدیث چاہتے ہیں کہ اجمال کو سامنے رکھ کر اپنی مرضی سے اس کی تشریح کریں اور حدیث ان کے اس باطل نظریہ کے سامنے سد سکندری ہے۔ اس لیے وہ سرے سے حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ فلا و ربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (الایہ' پ۵' النساء) ترجمہ: سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہیں' یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف نہ جانے' ہر اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے' پھر نہ پاویں جی میں تنگی تیرے فیصلے سے اور قبول کرلیں خوشی سے۔ اس آیت کریمہ میں خدا تعالیٰ نے ک ضمیر سے آنحضرت ﷺ کی ذات کو پیش کرکے آپ کے فیصلوں پر پابند رہنے والوں کو مومن فرمایا اور آپ کے فیصلے تسلیم نہ کرنے والوں کو حلفیہ طور پر غیر مومن قرار دیا۔ جو شخص مجموعی طور پر حدیث کو نہیں مانتا' اس کے کفر میں کیا شک ہے؟

اور بعض نام نہاد دانشوروں کے خیال میں قرآن و حدیث کا صحیح مطلب وہ ہی ہے جو ان کی سمجھ میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی مثال (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ کی ہے کہ قرآن ہم تک پہنچا دیا جو خدا کا خط ہے۔ اس خط کے مطالب کے ساتھ انہیں کوئی غرض نہیں۔ اب مسلمان جانے اور اس کا مطلب۔ اس کی تشریح کا حق ہر کس و ناکس کو حاصل

ہے۔ اسی طرح کا دھوکہ ڈاکٹر قمر الزمان نے اپنے لٹریچر میں دینے کی کوشش کی ہے۔ زیر نظر کتابچہ میں حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب نے ٹھوس دلائل کے ساتھ ڈاکٹر قمر الزمان کے ملحدانہ نظریات کا رد فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی شیر محمد علوی مدظلہ نے بھی قمر الزمان کے باطل نظریات کا مختصر مگر جامع مانع انداز میں تعاقب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ تادیر قائم رکھیں۔

مدرسہ ناصر العلوم کے مہتمم مولانا قاری محمد حسن ناصر صاحب تقریری سلسلہ تبلیغ کے ساتھ ساتھ تحریری طریقہ تبلیغ کو بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔ اسی جذبہ کے تحت انہوں نے مدرسہ میں ایک شعبہ نشرواشاعت قائم کیا' جس کے ذریعہ مختلف موضوعات پر مختلف رسائل شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سے قبل ایک کتابچہ نماز سے متعلق "احادیث نماز" شائع ہو چکا ہے۔

زیر نظر کتابچہ حدیث رسول ﷺ سے عداوت کیوں؟ اس سلسلہ اشاعت کا دوسرا "ٹریکٹ" ہے جو افادہ عام کے لیے مفت تقسیم کیا جائے گا۔ محترم سید محمد جمشید گیلانی اور مولانا عبدالوحید اشرفی، منتظم ماہنامہ حق چاریارؓ بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان کے خصوصی تعاون سے یہ قیمتی رسالہ اشاعت پذیر ہوا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

والسلام

خادم اہل سنت حافظ عبدالحمید فاروقی

خطیب جامع مسجد الحسن مدرسہ ناصر العلوم

مانگا منڈی ضلع لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر قمر زمان صاحب کے لکھے ہوئے دو رسالے پیش نظر ہیں یعنی

۱- سرچشمہ ہدایت صرف القرآن

۲- حقیقت حدیث

ان رسائل میں ڈاکٹر قمر زمان نے کوئی نئی بات نہیں کی بلکہ وہی پرانے اور گھسے پٹے اعتراضات ہیں جو خوارج اور دیگر گمراہ فرقوں کی جانب سے صدیوں پیشتر کیے گئے تھے۔ اور بعض گمراہ لوگ اپنے اپنے وقت میں ان کو دہراتے رہتے ہیں۔ یہ سب گمراہ لوگ ایسا عقل اور قرآن کے نام پر کرتے ہیں لیکن جیسا کہ ہر دور میں علماء حق کی جانب سے ان لوگوں کے اعتراضات اور ان کی تکنیکات و تلبیسات کے شافی و مسکت جواب دئے گئے ان سے واضح ہے کہ یہ لوگ بیچارے عقل سے بھی کورے ہیں اور قرآن فہمی سے بھی ان کو کچھ واسطہ نہیں۔

کسی بھی علم کو حاصل کرنے کے لیے اس علم و فن کے ماہرین کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پڑتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب بھی ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ طب کی تعلیم انہوں نے ماہرین طب سے حاصل کی اور یونیورسٹی سے اس کی سند حاصل کی پھر دنیا نے ان کو ڈاکٹری کرنے کے قابل سمجھا۔

اب جب عقل یہ کہتی ہے کہ کوئی بھی علم اس کے کے ماہرین کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو ڈاکٹر قمر زمان کا یہ کہنا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے کے لیے کسی اہل علم کی ضرورت نہیں اور ہر ہر شخص قرآن کو شروع سے آخر تک کھول کر پڑھ لے خود ہی ساری بات سمجھ جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کی انگلی پکڑ کر ہر ہر نکتہ کو سمجھاتے جائیں گے اور معانی و مفاہیم واضح کرتے جائیں گے بالکل خلاف عقل بات ہے بلکہ قرآن پاک کے خلاف بھی ہے۔

قرآن پاک میں ہے کہ یعلمهم الكتاب والحكمه (رسول لوگوں کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں) قرآن کے بقول صحابہؓ کو تو قرآن پاک اور حکمت سیکھنے کی ضرورت تھی اور رسول ﷺ کے فرائض منصبی میں سکھانا شامل تھا حالانکہ صحابہؓ تو عام طور سے ان احوال سے واقف تھے جن میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ جب صحابہؓ نے قرآن رسول ﷺ سے سیکھا تو بعد والوں کے لیے لازم تھا کہ وہ صحابہؓ سے سیکھتے اور نسلا بعد نسل یہ سلسلہ چلتا اور فی الواقع ہوا بھی ایسے ہی۔ لیکن ڈاکٹر قمر زمان صاحب اس قرآنی ضابطہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ ہدایت دیتے ہیں کہ قرآن پاک سمجھنے کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شروع ہوئے۔ علمی اور تعلیمی سلسلہ کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ خود پڑھنے والے پر معانی و مفاہیم واضح کرتے جائیں گے۔ شاید ڈاکٹر قمر زمان کی نظر میں چودھویں اور پندرھویں صدی کے لوگوں کا عروج پہلی صدی کے لوگوں سے زیادہ ہے۔

قرآن پاک واضح ہونے مضامین پر مشتمل ہے

ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے بعض آیات اس مضمون پر مشتمل نقل کی ہیں کہ قرآن پاک کی آیات بہت واضح ہیں اور قرآن پاک اس لئے اتارا گیا ہے کہ لوگ اس میں غور و فکر کریں اور اللہ تعالیٰ نے نصیحت قبول کرنے کی خاطر اس کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے۔ ولقد یسرنا القران للذكر فهل من مدكر (بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کر دیا ہے تو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا)۔ قد بينا لكم الايات ان كنتم تعقلون (بے شک ہم نے تمہارے لیے آیات کو کھول کر بیان کر دیا اگر تم عقل کرو)۔ لیکن ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے قرآن پاک کی اس آیت کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ لولا نفر كل فرقه منهم طائفه ليتفقهوا فى الدين و لينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم (سورۃ توبہ۔ ۱۲۲) ترجمہ:۔ سو کیوں نہ نکلا ہر ایک فرقہ میں سے ان کا حصہ تاکہ سمجھ حاصل کریں دین میں اور تاکہ خبر پہنچائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف۔

اس آیت کا مضمون ہی یہ ہے کہ ہر علاقے سے کچھ لوگ نکلیں اور اہل علم کے پاس جائیں اور

ان سے دین کا فہم اور علم حاصل کریں اور پھر واپس آکر اپنی قوم کو دین کے مسائل بتائیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرائیں۔

بات اصل میں یہ ہے کہ قرآن پاک میں وعظ و نصیحت بھی ہے اور سب طرح کے مضامین بھی ہیں۔ توحید' رسالت اور آخرت پر تفصیلی کلام ہے۔ اور رد شرک پر خوب زور ہے۔ اخلاق حسنہ کے بارے میں گفتگو ہے۔ ان مضامین کو حسب ضرورت مثالوں سے بھی سمجھایا اور سابقہ امتوں کے واقعات کو ان کے لیے دلیل بنایا۔ یہ مضامین سب خاص و عام کی ضرورت ہیں۔ اس لیے ان مضامین کے اعتبار سے قرآن پاک کو آسان فرمایا اور آیات کو واضح کیا اور ہر شخص کو دعوت دی کہ وہ ان مضامین میں غور کرے اور اگر نہیں کرتے تو کیا ان کے دلوں میں قفل پڑے ہوئے ہیں۔

ان مضامین کے علاوہ قرآن پاک میں حکام بھی ہیں اور عقائد کی باریکیاں بھی ہیں اور احکام کے اصول و ضوابط بھی ہیں۔ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ آخر سوچنے کی بات ہے کہ قرآن پاک میں "قرو" کا لفظ آیا ہے جس کے عربی لغت میں حیض اور طہر دونوں ہی معنی ملتے ہیں۔ اب قرآن پاک میں کس معنی کی تعیین کی جائے؟ کیا عام آدمی جس کو عربی ادب و لغت اور اصول دین سے واقفیت نہ ہو یہ کام کر سکتا ہے؟ اسی طرح قرآن پاک میں "کلالۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے چند ایک معنی ہیں۔ اور تین معنی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو مراد لیا جا سکتا ہے۔ اب ایک عام آدمی جس کو صرف قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنا آتا ہے وہ تین میں سے ایک معنی کی تعیین کس طرح کر سکے گا؟ نیز قرآن پاک میں ربوا اور سود کا ذکر ہے کہ یہ حرام ہے۔ اب یہ جاننا کہ ربوا کی کتنی شکلیں ہیں عام آدمی ان کو کیا سمجھ سکتا ہے؟ قرآن پاک کے ایسے ہی مضامین جو کہ بذات خود بہت سے ہیں ان کو سمجھنے اور جاننے کے لیے حکم دیا کہ کچھ لوگ مستقل وقت نکال کر ان کو سیکھیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے شاگردوں سے یا شاگردوں کے شاگردوں سے آخر سلسلہ تک) اور دوسروں کو سکھائیں۔

گمراہ فرقوں اور دیگر حضرات کی غلط فہمی کا ایک سبب

جب اوپر کی بات واضح ہو گئی تو اب سمجھئے کہ بعض گمراہ فرقے جنہوں نے قرآن پاک کی واضح

اور عام فہم ہدایات کے خلاف عقائد و رسومات اختیار کئے تو ان کو ضروری معلوم ہوا کہ وہ اپنے پیروکاروں کو قرآن پاک سے روکیں کیونکہ ان کو یہ ڈر تھا کہ اگر ان کی رسائی قرآن پاک تک ہوگئی تو گمراہ رہنماؤں سے ان کی عقیدت میں فرق پڑے گا اور اس طرح گمراہ رہنماؤں کے دنیوی مفادات پر ضرب پڑے گی۔ لیکن اس کے برعکس اہل حق کی جماعت بھی ہمیشہ رہی ہے جس کی دعوت قرآن پاک اور اس کی تعلیمات کی طرف ہے اور ہر قسم کی گمراہیوں اور غیر اسلامی رسومات کے ترک کی طرف ہے۔

ڈاکٹر قمر زمان صاحب اور ان جیسے حضرات نے گمراہ فرقوں پر نظر کی تو بجا طور پر ان کا طرز عمل ان کو قرآن پاک کے خلاف نظر آیا لیکن بدقسمتی سے یہ لوگ اپنی کم علمی کے باعث حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکے اور اہل حق و اہل باطل کو جدا جدا نہیں دیکھ سکے۔ BLINDREACTION کے طور پر قرآن پاک کے علاوہ ہر چیز کی بلا تحقیق نفی کر دی اور گمراہی کی نسبت اہل باطل کے ساتھ ساتھ اہل حق کی طرف بھی کر دی۔

یہ تو ایسا ہوا جیسے کسی حویلی کی حفاظت کے لیے قانونی اسلحہ رکھنے والے چوکیدار اور محافظ ہوں۔ پھر کچھ لوگ غیر قانونی اسلحہ لے کر حویلی میں کچھ لوٹ مار کرنے پر کامیاب ہو گئے ہوں تو اب کوئی شخص بجائے اس کے کہ لوٹ مار کی نسبت صرف تخریب کاروں کی طرف کرے محض اس بنا کہ قانونی اور غیر قانونی اسلحہ رکھنے والے ایک جیسے نظر آتے ہیں تخریب کاری کی نسبت دونوں کی طرف یکساں طور پر کر دے۔ قانونی محافظین کی قربانیوں کو نہ صرف نظرانداز کرنا بلکہ ان کی طرف تخریب کاری کو منسوب کرنا اس شخص کی بڑی ستم ظریفی اور ناانصافی ہے۔

اہل باطل اور گمراہ فرقے اپنی مصنوعی اور خود تراشیدہ روایتوں اور تعبیروں کے ذریعہ کچھ لوگوں کو بہکانے میں کامیاب ہو گئے تو ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے اپنی کوتاہی نظر کے باعث اس تخریب کاری کی نسبت اہل باطل کے ساتھ ساتھ اہل حق کی طرف بھی کر دی جو قانونی اور قرآنی ہتھیاروں سے دین کی حفاظت میں لگے ہوئے ہیں۔

فیاللعجب۔

قرآنی ہتھیار کیا ہے؟

بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہتھیار حدیث ہے۔ قرآن پاک نے خود اس کو اپنا ہتھیار بتایا ہے۔ اب جو شخص اس کو نہ مانے یا اس کے وجود سے انکار کرے وہ در حقیقت قرآن کا انکار کرتا ہے۔ نہیں افسوس ہے کہ ڈاکٹر قمر زمان صاحب جنہوں نے طب کے میدان تحقیق کی راہ کو پکڑے رکھا اور محض سنی سنائی پر عمل کر کے عطائیت (QUACKERY) اختیار نہیں کی حدیث کے بارے میں انہوں نے نہ تو قرآنی ہدایات کو پیش نظر رکھا نہ ہی تاریخی تحقیق پر نظر کی اور نہ ہی اہل حق کا مسلک صحیح طور پر سمجھا اور بیان کیا۔

حدیث کے قرآنی ہتھیار ہونے کے دلائل

ہمارا یہ دعویٰ کہ حدیث قرآنی ہتھیار ہے اس کے چند دلائل یہ ہیں۔

قرآن پاک میں ہے:

۱۔ ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه۔

ترجمہ: (بے شک ہمارے ذمے اس کو (یعنی قرآن کو) جمع کرنا ہے اور پڑھنا ہے۔ تو جب ہم اس کو پڑھیں تو آپ اس کے پڑھے جانے کی پیروی کیجئے۔ پھر ہمارے (ہی) ذمہ اس کا بیان ہے۔)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قرآن کا بیان ہمارے ذمے ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ بیان قرآن کے علاوہ ہو گا اور وہ بیان نہ اس وقت کے لوگوں کی ضرورت تھا ہمارے وقت کی بھی ضرورت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن کا بیان تھا۔ اور قرآن کو سمجھنے کے لیے اس سے بہتر ذریعہ اور ہتھیار کیا ہو سکتا ہے؟

۲۔ لتبین للناس ما نزل الیهم۔ ترجمہ: (تاکہ آپ لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دیں اس کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرض منصبی یہ بتایا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو نازل شدہ کلام کھول کر بیان کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولیں مخاطب یعنی

صحابہ رضی اللہ عنہ عام طور سے عربی زبان سے خوب واقف تھے بلکہ ان کی زبان ہی یہ تھی۔ اور قرآن کا نزول عربی میں ہی ہوا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہ کو کس قسم کے بیان کی ضرورت ہوئی۔ بلا ضرورت بیان کرنا تو عیب ہے۔ جب ان کو بیان کی ضرورت تھی تو بعد والوں کو اور ہمیں کیوں نہ ہو گی۔ ان دو آیتوں کو پیش نظر رکھنے سے دو باتیں حاصل ہوئیں۔

۱۔ پورے قرآن کو سمجھنے کے لیے بیان کی ضرورت ہے

۲۔ بیان بھی وہ جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو بتایا ہو

۳۔ یتلوا علیھم آیاتہ وتزکیھم ولعلمھم الکتاب والحکمہ (ترجمہ: رسول ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔)

لوگوں پر تلاوت آیات سے قرآن کا پہنچانا ہو گیا۔ اس کے بعد کتاب وحکمت کی تعلیم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو دیتے تھے۔ وہ کتاب کو سمجھنے ہی کے لیے دیتے تھے۔ جب صحابہ کو تعلیم کتاب کی ضرورت تھی اور انہوں نے یہ عذر نہیں سمجھا کہ اللہ تعالیٰ تو ہماری انگلی پکڑ کر خود ہمیں قرآن سمجھادیں گے تو دوسروں کو اس تعلیم سے بے نیازی کیونکر ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا تین آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن پاک کا جو بیان کیا اور جو تعلیم دی وہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے اور یہ بیان منجانب اللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ اسی لیے ہم نے اس کو قرآن پاک کا ہتھیار نام دیا ہے اسی بیان کا دوسرا نام حدیث ہے۔ جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کے ذمے ہے کہ وہ قرآن کا بیان لائے ورنہ تو گویا وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ اب قرآن کو سمجھنا ممکن ہی نہیں کیونکہ قرآن کی رو سے قرآن کو سمجھنے کے لیے اس کا بیان ضروری ہے جو اب موجود نہیں لہٰذا قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس سے خود قرآن پر اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر جو اعتراض پڑتا ہے۔ اس کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

قرآن ہی کا تقاضا ہے کہ حدیث محفوظ ہو

جب حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کا بیان جس کے بغیر قرآن پاک کو کما حقہ سمجھنا مشکل ہے اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے اس کو بیان کرنا شامل ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جنہوں نے قرآن پاک کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس کے الفاظ کی حفاظت کے اسباب تو بنائیں لیکن اس کے بیان اور معانی کی حفاظت کے اسباب نہ بنائیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بھی اسباب بنائے اور رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیے ہوئے الفاظ اور مضامین اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صادر شدہ اعمال و افعال جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ مبارکہ تھا اور قرآن کا قولی و عملی بیان تھا کو محفوظ کرایا۔

حدیث کی حفاظت ان لوگوں کے ذریعے کروائی جن کی تعریف خود قرآن نے کی

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین وتبع تابعین رحمہم اللہ جیسے حضرات سے اس کی حفاظت کرائی۔ قرآن پاک میں ہے والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوا عنه ترجمہ:۔ اور جو لوگ قدیم ہیں سب سے پہلے ہجرت کرنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیروکار ہوئے نیکی کے ساتھ اللہ راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اس سے۔

یہ صرف کتابی قسم کے لوگ نہیں ہیں بلکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ مبارکہ کو اپنے اعمال و افعال میں اتارا۔ اسی کو اتباع کہتے ہیں اور اسی بنا پر ان کی تعریف ہوئی ہے اور بعد والوں نے پہلوں کی اتباع کی اور اس پر قرآن پاک نے بعد والوں کی بھی تعریف کی۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیے ہوئے الفاظ اور مضامین کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی۔ آخر حضرات عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عمر بن العاص' ابو ہریرہ' انس' ابو سعید خدری' عبداللہ بن عباس' ابی بن کعب' معاذ' عبداللہ بن مسعود اور حضرت عائشہ و دیگر

امہات المومنین رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کا اور کیا مشغلہ تھا۔ ان کی دینوی مشغولیتیں کتنی تھیں۔ یہ بھی ہمارے سامنے ہے اور دینی دلچسپی کتنی تھی یہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔ علاوہ ازیں یہ تو چند نمایاں مثالیں ہیں۔ دیگر صحابہ اور وفود جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس آتے تھے وہ آخر کیا کرتے تھے۔

پھر تابعین و تبع تابعین کے دور میں تو لاکھوں انسانوں کا علمی مشغلہ ہی قرآن و حدیث تھا۔ عربی بہت سوں کی اپنی زبان تھی۔ علوم عربیہ ابھی زیر تدوین تھے۔ فلسفہ وغیرہ نے لوگوں میں ابھی رواج نہیں پایا تھا۔ خالص علوم نبوی کی تحصیل ہی ان کا مشغلہ تھا اور اسی میں انہوں نے اپنی زندگیاں قربان کیں۔ تابعین کے دور میں مجاہد' علقمہ' نافع' حسن بصری' ابن سید بن ابو حنیفہ' شعبی' ابراہیم نخعی' اسود' قاسم بن محمد بن ابی بکر' سالم' عکرمہ' سالم بن یسار' ابن شہاب' زہری رحمہم اللہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ تو تاریخ ان کے تذکروں سے بھری پڑی ہے اور تبع تابعین میں امام مالک' ابویوسف' محمد زفر' حسن بن زیاد' اوزاعی' معمر' عبداللہ بن مبارک' یحیی بن سعید قطان' مکی بن ابراہیم اور حفص بن غیاث رحمہم اللہ ہیں۔ یہ تو محض چند مثالیں ہیں جن پر ہم اختصار کی وجہ سے اکتفا کرتے ہیں ورنہ تو اس دور میں علم ہی یہی تھا اور اسی علم کا ہر جگہ چرچا اور رواج تھا۔

ان تین ادوار میں یعنی صحابہ' تابعین' اور تبع تابعین کے ادوار میں احادیث کی جمع و تدوین مکمل تھی۔ صحابہ کے دور میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زمانہ میں احادیث لکھیں اور اس مجموعہ کا نام صادقہ تھا۔ اس میں پانچ ہزار سے زائد حدیثیں تھیں۔ اسی صحیفے سے بعد کے محدثین نے بہت سی حدیثیں نقل کیں ہیں۔ تابعین کے دور میں امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب الآثار لکھی جو ان کے بہت سے شاگردوں نے نقل کی۔ اور سرکاری طور پر عمر بن عبدالعزیز رحمتہ علیہ نے اپنے دور خلافت میں ابن شہاب زہری کو مامور کیا کہ وہ احادیث نبوی اور صحابہ رضی اللہ عنہ کے اقوال و افعال یعنی آثار کو جمع کر دیں۔ اس طرح ایک بہت بڑا ذخیرہ سرکاری کتب خانہ میں داخل کیا گیا۔

تبع تابعین کے دور میں نمایاں شخصیت امام مالک کی ہے۔ جنہوں نے موطا امام مالک لکھی اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ نے موطا امام محمد لکھی۔ ان کے علاوہ عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ علیہ کی

کتابیں وجود میں آئیں۔ اور یہ سب کتابیں اب بھی عام دستیاب ہیں۔ غرض قرآن و حدیث (یعنی بیان قرآن) کے تعلیم و تعلم کا ایک سلسلہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے شروع ہوا اور نسلاً بعد نسل بغیر کسی انقطاع کے چلتا رہا۔ یہ ایک ادارہ (INSTITUTION) تھا جس کی صحابہ کے دور میں کئی شاخیں قائم ہو گئی تھیں۔ ایک ایک اہل علم صحابی خود ایک مرکزی حیثیت رکھتے اور علاقے والے ان کے پاس ملمدین یعنی قرآن و حدیث سیکھنے آتے تھے۔ اور وہ تعلیم (PRACTICAL • THEORETICAL) دونوں ہی قسموں پر مشتمل تھی۔

پھر ذرا سوچا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جو احادیث منقول ہیں وہ صرف ہزاروں میں ہیں۔ تو کیا اتنی احادیث کو یاد کرنا اور یاد رکھنا امت کے لیے کوئی مشکل کام تھا۔ محض دنیوی رہنماؤں کے اقوال و احوال کی حفاظت کا قومیں کیا کچھ اہتمام نہیں کرتیں تو کیا محسن انسانیت اور افضل الرسل کے اقوال و افعال کو یاد رکھنے اور ان کو اپنانے سے یہ امت ایسی ہی عاجز تھی۔ حاشا وکلا، ایسی بات متصور ہی نہیں اور ایسا تصور کرنا بہت غیر معقول بات ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ تو بہت بعد کے لوگ ہیں۔ ان کو تو جمع شدہ حدیثوں کے ذخیرے ملے ہیں۔ وہ ذخیرے انہوں نے اپنے مختلف اساتذہ سے حاصل کئے اور پھر حدیثوں کا ایک انتخاب کتابی شکل میں پیش کیا۔ خود امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز امام اسحٰق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھا وہاں ہمارے ساتھیوں میں سے کسی کی زبان سے نکلا "کاش تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنن کے بارے میں کوئی مختصر سی کتاب جمع کر دیتے" خطاب تمام حاضرین مجلس سے تھا لیکن امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کے نام ہی میں انہوں نے وضاحت کر دی کہ کل صحیح حدیثیں نہیں ہیں کہ انتخاب ہے اور نام یہ رکھا الجامع المسند الصحیح المختصر امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وسنتہ وایامہ۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم علم حدیث میں اہم کتابیں ہیں لیکن اول تو احکام و مسائل کی تخریج و استنباط کا کام ان پر موقوف نہیں تھا کیونکہ وہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا دوسرے ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے رطب و یابس کے مجموعوں سے یہ چند ہزار جواہر ریزے بڑی محنت شاقہ سے چنے ہوں بلکہ انہوں نے

صحیح احادیث میں سے چند کا انتخاب کیا ہے۔ خود امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

مادخلت فی کتابی الجامع الاماصح وترکت جملته من الصحاح خشیته ان بطول الکتاب۔

میں نے اپنی کتاب جامع میں صرف صحیح حدیثیں درج کی ہیں اور میں نے صحیح حدیثوں کا ایک بڑا مجموعہ اس خوف سے درج نہیں کیا کہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی۔

اور امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

انما اخرجت ھذا الکتاب وقلت ہو صحاح ولم اقل ان مالم اخرجه من الحدیث جی ھذا الکتاب فھو ضعیف۔

میں نے اس کتاب میں حدیثیں درج کیں ہیں اور کہا کہ یہ حدیثیں صحیح ہیں اور یہ نہیں کہا کہ جو حدیثیں میں نے اس کتاب میں ذکر نہیں کیں وہ صحیح نہیں ہیں۔

اس سب کے باوجود یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ ائمہ مجتہدین اور ائمہ فقہ جو خود حدیث کے بھی بڑے امام تھے۔ یعنی ابو حنیفہ' امام مالک' امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ امام بخاری اور امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ کے زمانے سے پہلے کا ہے۔ وہ مسائل کی تخریج اور استنباط میں امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں کے محتاج نہ تھے بلکہ ان کے پاس حدیث کے اپنے ذخیرے تھے اور حدیث میں ان کی اپنی کتابیں مشہور و معروف ہیں مثلاً امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب الاثار۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی موطا' امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا الرسالہ وغیرہ اور امام احمد بن حنبل کی مسند احمد بن حنبل۔

چند ضروری وضاحتیں

پہلی وضاحت حدیث کی تعداد لاکھوں میں کس طرح؟

امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ کا یہ قول بھی ہے کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں جب کہ ان کی

کتاب جامع میں بشمول مکررات و معلقات و متابعات کل تعداد نو ہزار بیاسی ہے۔ اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی صرف ہزاروں میں ہیں تو پھر باقی حدیثیں کیسی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا تعلق محدثین کی اصطلاح (TERMINOLOGY) سے ہے۔ ایک ہی بات کو جب دس واسطوں سے سنا جائے مثلاً زید نے ایک بات دس آدمیوں کو بتائی اور دس واسطوں سے آپ نے سنی تو محدثین کی اصطلاح میں دس باتیں ہوئیں کیونکہ وہ اس بات و خبر میں واسطہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ حدیث میں بھی یہی طریقہ وہ استعمال کرتے ہیں لہٰذا ایک حدیث کو جب دس بیس واسطوں سے سنتے ہیں تو اس کو دس بیس حدیث شمار کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے مورخین صحابہ کے اقوال و احوال کو بھی اصطلاحاً حدیث کہتے ہیں۔ اس طرح ان کے نزدیک حدیث میں احادیث نبوی کے علاوہ صحابہ کے اقوال و احوال بھی شامل ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ کثیر تعداد میں تھے لہٰذا ان کے اقوال و احوال کی بھی بڑی کثیر تعداد تھی۔ اس طرح احادیث کی تعداد لاکھوں تک جا پہنچتی ہے۔

ڈاکٹر قمر زمان صاحب خبر واحد سے کیا مراد ہے؟

ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے حدیث متواتر اور خبر واحد دونوں کے بارے جو باتیں ذکر کی ہیں وہ سب غلط ہیں اور حقیقت حال سے ان کی بے خبری پر دلیل ہے۔ یہ سب ان کی فرضی باتیں ہیں یا پھر امین احسن اصلاحی کے دیئے ہوئے مغالطے ہیں جن میں ڈاکٹر قمر زمان صاحب مبتلا ہو گئے ہیں۔ امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی کتاب مبادی تدبر حدیث میں حق و باطل کو خلط ملط کر دیا ہے۔ اور حدیث و سنت سے امت کو متنفر کرنے کی کوشش کی ہے جس کے لیے انہوں نے حوالجات کے ترجمہ میں بھی خیانت کی ہے اور من گھڑت باتوں کو حقیقت بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مبادی تدبر حدیث کا جواب تو ہم تفصیل سے جامعہ مدینہ کے ترجمان ماہوار "انوار مدینہ" میں قسط وار دے رہے ہیں۔ یہاں ہم اختصار کے ساتھ ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی چند غلطیوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب اپنی کتاب حقیقت حدیث کے صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں۔ "یعنی احادیث بیان کرنے والوں کی تعداد اتنی کم ہے کہ یہ گمان غالب ہے کہ جو بات بیان ہو رہی ہے وہ جھوٹ پر مبنی ہے

ایسی احادیث کو محدثین غیر متواتر یا خبر واحد کہتے ہیں۔ ڈاکٹر قمرزمان صاحب نے بالکل الٹ تعبیر دی ہے۔ دیکھیے قرآن پاک میں دو آدمیوں کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔ دو گواہ جب اچھے کردار کے ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جاتی ہے حالانکہ یہ امکان (POSSSIBILITY) موجود ہے کہ گواہی دینے میں ان سے کوئی بھول چوک ہو گئی ہو یا دونوں نے مل کر جھوٹی گواہی دینے پر اتفاق کر لیا ہو لیکن جب وہ کردار کے اچھے ہیں تو ہمیں گمان غالب ہوتا ہے کہ وہ صحیح کہ رہے ہیں اور امکان (POSSIBILITY) کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ گمان غالب پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن جب ہمیں دو آدمیوں کی گواہی کا حکم دیتا ہے تو گویا اس ضابطہ کا حکم دے رہا ہے۔

حدیث میں بھی ایسے ہوتا ہے جب کوئی اچھے کردار و حافظہ کا مالک شخص کسی دوسرے کی بات نقل کرتا ہے تو گمان غالب ہوتا ہے کہ وہ سچ کہ رہا ہے اگرچہ ایک (POSSIBILITY) یہ ہوتی ہے کہ اسے کوئی بھول چوک ہو گئی ہو یا وہ جھوٹ بول رہا ہو۔ لیکن دنیا کا کام اس امکان (POSSIBILITY) کو دیکھ کر نہیں چھوڑ دیے جاتے بلکہ عقل یہی کہتی ہے کہ امکان کو چھوڑ دو اور گمان غالب پر عمل کرو۔

نقل کرنے والوں کی تعداد ایک یا دو یا تین یا چار بلکہ اس سے بھی کچھ زائد ہو تو وہ بات اور حدیث اصطلاح (TERMINOLIGY) میں خبر واحد کہلاتا ہے۔ اچھے کردار کے حامل ہونے کی بنا پر گمان غالب ہوتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے اور حکم قرآنی کے موجب اس کو قبول کرنا اور عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ڈاکٹر قمرزمان صاحب نے اس کو بلکل الٹ ہی بیان کیا۔ اور قرآنی تعلیمات کو بھی پیش نظر نہیں رکھا۔

ڈاکٹر قمرزمان صاحب کی غلطی کا سبب

غالباً ڈاکٹر قمرزمان صاحب کو غلطی اس بات سے لگی کہ محدثین کہتے ہیں کہ خبر واحد سے ظن کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور خبر واحد میں ظن سے محدثین کی مراد ظن غالب یعنی گمان غالب ہے۔ لیکن ڈاکٹر قمرزمان صاحب نے یہ فرض کیا ہے کہ ظن سے مراد صرف اٹکل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک آیت میں اس لفظ کا اٹکل کے معنی میں استعمال ان کو نظر میں آیا۔ لیکن ڈاکٹر قمرزمان صاحب کا یہ خیال صحیح

نہیں ہے بلکہ ظن کا لفظ مختلف معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی ایک یقین، دوسرے گمان غالب اور تیسرے اٹکل اور ان تینوں معنی میں یہ لفظ قرآن پاک میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھیے

(۱) ظن بمعنی یقین۔

وانها لكبيرته الا على الخاشعين الذين يظنون انهم ملقوا ربهم۔ سورہ بقرہ رکوع ۵۔

(اور نماز یقیناً بھاری ہے مگر خاشعین پر جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں)

(۲)۔ ظن بمعنی گمان غالب

لولا اذ سمعتموه ظن المومنون والمومنات با نفسهم خيرا (سوره بقره)

(جب تم نے وہ بات سنی تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے اپنے آپس والوں کے ساتھ نیک گمان کیوں نہ کیا)

ومالهم به من علم ان يتجون الا الظن ان الظن لا يغني من الحق شيئا

(حالانکہ ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتے)

۲۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب اپنی کتاب حقیقت حدیث کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں:

جمع و تدوین کے وقت یعنی ڈھائی سو سال بعد بھی ایک حدیث لکھی ہوئی نہ تھی۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے یہ بات محض اس مفروضہ پر مبنی کر کے لکھی ہے کہ سب سے پہلے حدیث کی کتاب لکھنے والے امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ ہیں۔ حالانکہ جو مختصر تاریخ حدیث ہم نے اوپر ذکر کی اس سے معلوم ہوتا کہ حدیثوں کو زبانی یاد کرنے اور لکھنے کے دونوں کام صحابہ کے دور ہی سے چل رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مجموعہ صادقہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس میں پانچ ہزار سے زائد حدیثیں موجود تھیں صحاح ستہ میں سے ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے اس کتاب سے حدیثیں نقل کی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے دور خلافت میں سرکاری حکم کے ذریعہ امام زہری رحمتہ اللہ علیہ سے احادیث نبویہ حدیثیں نبویہ اور آثار صحابہ محفوظ کروائے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ تابعین میں سے ہیں یعنی وہ لوگ جنھوں نے دور صحابہ پایا۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ جو تابعین میں سے ہیں اور جن کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی انہوں نے کتاب الآثار لکھی۔ امام مالک جن کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی ان کی کتاب موطا امام مالک ہے۔ ان دو موٹی موٹی مثالوں پر ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی فن حدیث سے متعلق کہی ہوئی دیگر باتوں کو قیاس کر لیں۔ ہم اختصار کی خاطر ان کو چھوڑتے ہیں۔

چند احادیث پر اعتراض

ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے چند احادیث نقل کی ہیں اور ان کو رسول اللہ کی شخصیت پر گھناؤنا حملہ قرار دیا ہے۔ جو روایتیں قواعد عقلیہ اور اصول دین کے خلاف ہوں ہم بھی ان کو صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن ہر شخص کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جس حدیث کو اس کا ذوق ناقص اور عقل کوتاہ قبول نہ کرے اس کو رد کر دیا جائے۔ ہم ایک دو حدیثیں ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے ص ۲۴ پر یہ حدیث نقل کی ہے:

> حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ روزہ کی حالت میں مباشرت کرتے اور بوسہ لیتے اور وہ تم میں سب سے زیادہ اپنی خواہشات پر قادر تھے"۔

ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس حدیث میں کون سی بات قرآن اور عقل کے خلاف ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کے منافی ہے۔ میاں بیوی ہوں تو آپس میں چمٹتے بھی ہیں، بغلگیر بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا بوسہ بھی لیتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا روزہ کی حالت میں ایسا کر سکتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسا کر سکتے ہیں (بشرطیکہ کہ جماع میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو) مباشرت عربی کا لفظ ہے جس کے معنی چمٹنے کے ہیں۔ اردو میں ہم یہ لفظ بول کر جماع بھی مراد لیتے ہیں۔ لیکن حدیث میں مباشرت سے جماع مراد نہیں ہے بلکہ چمٹنا مراد ہے۔ آخر یہ بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ مبارکہ کا حصہ ہے اور عقلاً و اخلاقاً اس میں کوئی قابل

اعتراض بات نہیں ہے۔ پھر اس کے ذکر میں امت کے لیے بڑی راہنمائی ہے۔ ایک صاحب نے اس سے متعلق یہ بات کہی تھی کہ ٹھیک ہے کیا تو اسی طرح جائے گا لیکن حدیث میں اس کا ذکر معیوب اور قابل اعتراض ہے۔ یہ کیسی تعجب کی بات ہے۔ ایسے شخص کی عقل ماتم کیے جانے کے لائق ہے۔

۲۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ایک حدیث کا ترجمہ اپنی کتاب کے صفحہ ۳۶ پر دیا ہے جس میں لکھا ہے کہ: "سیدنا ابراہیم نے تین مرتبہ جھوٹ بولا"..... الحدیث)

ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے ثلاث کذبات کا ترجمہ تین جھوٹ سے کیا جب کہ کذب کا لفظ عربی زبان میں کئی معنی میں بولا جاتا ہے۔ مثلاً جھوٹ، خطا، واجب، اور تعریض..... تعریض اس کو کہتے ہیں کہ کہنے والا تو اپنے اعتبار سے سچ کہے جب کہ سننے والا اس کو جھوٹ سمجھے۔ تعریض ہی کی ایک قسم توریہ ہے جس میں یہ ہوتا ہے کہ کہنے والا کسی لفظ کا استعمال ایک اعتبار سے کر رہا ہوتا ہے اور مخاطب اس کو دوسرے اعتبار سے سمجھ رہا ہوتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارہ کے بارے میں بادشاہ کو بتایا کہ وہ میری بہن ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے دینی بہن مراد لیا جب کہ بادشاہ ان کو نسبی بہن سمجھا۔ اس کو توریہ کہتے ہیں۔

حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین کذب کہے۔ لفظ کذب کے یہ مختلف معانی ہیں۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب ذرا دیانت داری سے بتائیں کہ انہوں نے کذب کا ترجمہ جھوٹ کے ساتھ کس دلیل سے متعین کیا ہے۔ یہ تو عام مسلمان بھی سمجھتا ہے کہ رسول جھوٹ نہیں بولتے۔ پھر انہوں نے یہ ترجمہ کس طرح کیا؟ اگر کسی نے جھوٹ بولنے کے ساتھ ترجمہ کیا ہے اور اس پر اعتراض ہے تو یہ تو ترجمہ پر اعتراض ہوا۔ حدیث کیسے قابل اعتراض بن گئی۔ جب کہ علمائے حق اس کا جھوٹ کے ساتھ ترجمہ نہیں کرتے اور اگر کوئی کر بھی دے تو اس کی وضاحت کر دیتا ہے۔ اس سے متعارف جھوٹ مراد نہیں ہے بلکہ تعریض و توریہ مراد ہے۔ باقی حدیث میں مذکور تین واقعات میں سے دو کا ذکر تو قرآن پاک میں ہے۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے حدیث کا جو ترجمہ کیا ہے وہ یوں ہے:

> "سیدنا ابراہیم نے تین مرتبہ جھوٹ بولا۔ دو مرتبہ اللہ کے لیے یعنی اس وقت جب سیدنا ابراہیم کے والد سیدنا ابراہیم کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے تو سیدنا

ابراہیم نے بہانہ بنایا اور کہا کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرا جھوٹ اس وقت بولا جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے بتوں کو توڑا ہے تو انہوں نے کہا کہ بڑے بت نے یہ کام کیا ہے۔۔۔۔۔(الخ)

یہ دونوں قصے بعینہ اسی طرح قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ ڈاکٹر قمر زمان صاحب بھی ان کا انکار نہیں کرتے۔ پھر وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز عمل کو کس طرح تعبیر کرتے ہیں؟ اگر ڈاکٹر قمر زمان صاحب اس کو تعریض و توریہ کہیں گے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم بھی حدیث میں کذب سے مراد تعریض و توریہ ہی لیتے ہیں۔ آخر اعتراض کس چیز پر ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب بظاہر واقع کے خلاف ہے۔ کیونکہ خود قرآن کہتا ہے کہ بتوں کو.... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے توڑا تھا۔ پھر خود قرآن ہی کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے پوچھنے پر جواب دیا کہ اس کام کو اس بڑے بت نے کیا ہے۔ اس کو آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریض کا نام دیں یا کچھ اور حدیث میں کذب سے مراد بھی وہی ہے۔ ان دو مثالوں سے سمجھ لیجئے کہ ڈاکٹر قمر زمان صاحب نے باقی جو حدیثیں قابل اعتراض سمجھ کر نقل کی ہیں ان میں سے اکثر کے بارے میں ڈاکٹر قمر زمان صاحب کی کوتاہ عقلی واضح ہے۔

آخر میں ڈاکٹر قمر زمان صاحب اور ان کے فکر سے متفق لوگوں سے ہماری گزارش ہے کہ خدارا عقل سے کام لیجئے۔ ہم نے اختصار کے ساتھ حق بات واضح کر دی ہے۔ لہٰذا اس کے سامنے آنے پر ارشاد قرآنی کے مطابق اس پر اندھوں بہروں کی طرح نہ گریے بلکہ اپنی متاع حیات کو غنیمت سمجھ کر ہدایت و تحقیق کو اختیار کیجئے۔ واللہ ولی الحق و هو یهدی السبیل

عبدالواحدؒ

۱۰ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ

جامعہ مدینہ لاہور

بسم اللہ حامداً و مصلیاً

احقر نے مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب زید مجدھم کا مضمون اول تا آخر مطالعہ کیا ماشاء اللہ حجیت حدیث پر مختصر اور جامع اور مفید مضمون ہے اور اس دور کے منکرین حدیث میں سے ڈاکٹر قمرزمان صاحب کے رسائل حقیقت حدیث وغیرہ کا اجمالی تعاقب ہے۔ ڈاکٹر قمرزمان صاحب ہوں یا امین احسن اصلاحی یا حبیب الرحمان صدیقی وغیرہ منکرین حدیث وہی پرانے اعتراض مختلف انداز میں دہراتے رہتے ہیں جو صدیوں پہلے منکرین حدیث نے قائم کیے تھے اور علماء نے ان کے جوابات دیے اور مختلف کتابیں حجیت حدیث پر تصنیف فرمائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث کا انکار کرنے کے بعد قرآن پاک پر ایمان نہیں رہ سکتا کیونکہ قرآن کا قرآن ہونا بھی تو حدیث ہی سے معلوم ہوا اور پھر تمام مسائل شرعیہ جو قرآن پاک میں اجمالاً بیان ہوئے ان کی تفصیل احادیث ہی سے معلوم ہوگی۔ جیسے نمازوں کے اوقات' تعداد رکعات' اسی طرح نماز کے دیگر مسائل اور پھر زکوٰۃ اس کا نصاب اور ادائیگی کی تمام شرائط وغیرہ احادیث ہی سے معلوم ہوں گی۔ کیونکہ قرآن پاک نے تو ان تمام چیزوں کو اجمالاً بیان کیا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر قمرزمان یا اس کے ہم نواؤں کا یہ کہنا کہ "سرچشمہ ہدایت صرف قرآن ہے" غلط ہے اور دین اسلام کے انکار کے مترادف ہے اور حدیث و قرآن کا انکار کر کے کوئی شخص مسلمان نہیں رہ سکتا۔ واللہ الهادی۔

آخر دنیا میں بہت سے گناہ ہو رہے ہیں یہ لوگ ان کو مٹانے کے بجائے حدیث رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مٹانے کے درپے کیوں ہیں؟ یاد رکھیے جس طرح قرآن پاک قیامت تک باقی رہے گا اسی طرح حدیث رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی قیامت تک باقی رہے گی اور اس طرح کے کئی ڈاکٹر پیدا ہوئے اور مٹ گئے۔ ان شاء اللہ یہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ البتہ علماء حق کو اپنا فریضہ پوری تندہی سے سرانجام دینا ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ شیر محمد علوی

خادم دارالافتا بالجامعہ اشرفیہ

۲۲ صفر ۱۴۱۷ھ لاہور

حدیث رسول کے نام پر

دھوکہ کیوں؟

ڈاکٹر قمر زمان

محترمی جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب سلام علیک!

سب سے پہلے تو آپ کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ آپ نے کتابچے کا عنوان "حدیث رسول سے عداوت کیوں؟" رکھ کر ایک دفعہ پھر لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔اس کا صحیح عنوان تو "بخاری اور مسلم کی احادیث سے عداوت کیوں؟" ہونا چاہیے تھا۔اور وہ اس لیے کہ احادیث رسول الگ بات ہے اور بخاری و مسلم کی دی ہوئی کہانیاں الگ۔

پھر عرض ہے کہ ہم نے تو دلائل دیئے تھے کہ بخاری اور مسلم نے جن روایات کو رسول اللہ سے منسوب کیا تھا وہ رسالت مآب کے اقوال ہی نہیں ہیں اس لیے یہ احادیث رسول ہو ہی نہیں سکتیں اور امت کو رسول کے نام پر دھوکہ دیا جا رہا ہے۔جس کے لیے ہم نے دلیل دی تھی کہ آج بھی آپ جب بخاری یا مسلم کی حدیث سناتے ہیں تو خود یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

قال او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلم (یا جیسے رسالت مآب نے کہا ہو)

دیکھیے اگر آپ کی بات سنانے کے بعد آپ کا شاگرد یہی الفاظ سننے والے کو کہہ دے کہ میں نے تو آپ تک استاد کی بات پہنچا دی لیکن اگر ایسی بات نہ تھی تو جیسی انہوں نے کہی ہو تو سننے والا کہاں سے معلوم کرے گا کہ آپ کی اصل بات کیا ہے؟اور آپ کے شاگرد نے جو کچھ آپ سے منسوب کر کے کہا اس میں کتنا سچ ہے اور کتنا جھوٹ؟

کیا دنیاوی معاملات میں بھی آپ کا یہی طرز عمل ہے؟ کیا آپ لوگوں کو کوئی اطلاع دینے کے بعد اسی طرح شک میں مبتلا کیے رکھتے ہیں؟

کیا آپ اپنے پیر و مرشد یا استاد کے کسی قول کو سنانے کے بعد اسی طرح کہتے ہیں یا جیسے پیر و مرشد نے کہا ہو کیا یہ دھوکہ نہیں ہے؟اور اگر یہ دھوکہ نہیں ہے تو پھر دھوکہ کیا ہوتا ہے؟

آپ علماء حضرات رسول اللہ سے ان روایات کو منسوب کرتے ہوئے ذرا ڈر و خوف محسوس نہیں کرتے جن کو آپ کسی طرح ثابت نہیں کر سکتے کہ واقعی یہ رسول اللہ کے اقوال تھے۔آپ ان ہی روایات

کے زیر اثر قرآن کے مفاہیم تک کو بدل ڈالتے ہیں۔ کبھی تو ایک مرتبہ یہی سوچ لیجئے کہ اللہ کے حضور آپ نے حاضر ہونا ہے اور وہاں جب رسول اللہ نے صرف اتنی سی پکڑ کر لی کہ تم میری طرف جن باتوں کو منسوب کرتے تھے ان کی سند کیا تھی تو آپ کیا جواب دیں گے؟ کم از کم ہم کو وہ سند بتا دیں جو آپ قیامت کے روز رسالت مآب کے اس سوال پر پیش کریں گے۔

آپ کا تصنیف کردہ کتابچہ "حدیث رسول سے عداوت کیوں؟" اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ آپ لوگ ان روایات کی محبت میں (جن کو کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رسالت مآب کے اقوال تھے) قرآن سے کتنی دور جا پڑے ہیں جس کی ایک وجہ صرف یہ ہے کہ آپ جامعین حدیث کی شخصیات کو اتنا مقدس بنا بیٹھے ہیں کہ ان کی غلطیوں کی اگر نفی کرنا بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کو انہی روایات کے چشمے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، جس کی وجہ قرآن میں روایات کا ہی رنگ نظر آتا ہے اور جب عقل وفطرت کے اصولوں پر پورے نہیں اترتے تو توریہ اور تطبیق کا سہارا لیتے ہیں۔ توریہ اور تطبیق کا سہارہ ہی اس بات کی دلیل ہے کہ بات بن نہیں رہی ہے۔ کبھی قرآن کو ان بیرونی چشموں کی مدد کے بغیر بھی دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ انشاءاللہ نہ آپ کو تطبیق کی ضرورت پڑے گی اور نہ ہی توریہ کی۔

کبھی تو قرآن کو اس انداز سے دیکھئے کہ یہ خالق کائنات کی کتاب ہے اور خالق کائنات علیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس کو انسانی ذات کی تمام تر مجبوریوں اور صلاحیتوں کا بخوبی علم ہے، اس لیے اس انسان کی خلقت کو مدنظر رکھتے ہوئے جو بھی دیا ہے وہ بہترین دیا ہے۔ جب خالق کائنات اس قرآن کو خود مکتفی، مفصل اور بمع بہترین تفسیر نازل کیا ہوا فرما رہے ہیں تو آپ کیوں اللہ کے کلام کو ان روایات کا محتاج بناتے ہیں جو انسانوں کی عطا کردہ ہیں۔

اس سے پہلے کہ آپ کے اعتراضات کا جواب دوں ایک بات عرض کر دوں کہ میں تو ایک گمنام سا آدمی تھا، نہ تو میں نے عالم ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ ہی آئندہ کوئی ارادہ ہے۔ میں نے عوام

کے نمائندے کے طور پر چند شکوک کی طرف نشاندہی کی تھی اور علماء سے اس کا جواب چاہا تھا آپ جواب دینے کی بجائے بلاوجہ ہی سیخ پا ہوگئے۔ آپ کے کتابچے نے البتہ ایک عام آدمی کو مشہور ضرور کر دیا۔

دوسری بات کہ آپ کے کتابچے پر اپنے نام کے ساتھ منکر حدیث دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی اس لیے کہ

(i) کتب احادیث کے انکار میں میں اکیلا نہیں بلکہ آپ بھی شامل ہیں۔ کیونکہ آپ صحاح اربع کے منکر ہیں جو اہل تشیع کے نزدیک بخاری اور مسلم سے زیادہ مستند ہیں۔

(ii) اگر آپ صرف اہل فقہ ہیں تو آپ ان احادیث کے منکر ہیں جو اہل حدیث کے نزدیک مستند ہیں۔

(iii) اور اگر آپ اہل حدیث ہیں تو ان احادیث کے منکر ہیں جو اہل فقہ کے نزدیک مستند ہیں۔

اور اگر آپ ان سب میں سے کچھ بھی نہیں ہیں یا سب کچھ ہیں تب بھی آپ ان احادیث کے منکر تو ضرور ہیں جن کو آپ کا علم و عقل موضوع یا ضعیف قرار دیتی ہے۔ یعنی آپ کسی نہ کسی صورت، کسی نہ کسی حدیث کے منکر ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپ ان احادیث کے مطابق نماز نہیں پڑھتے جن کے مطابق دوسرے فرقے کے لوگ پڑھتے ہیں اور کم از کم اہل تشیع جس طرح نماز پڑھتے ہیں اس انداز سے آپ نہیں پڑھتے۔ اگر آپ اس کے جواب میں یہ فرمائیں گے کہ یہ فروعی اختلافات ہیں، ان میں نہیں الجھنا چاہیے تو حضور یہی تو ہم کہتے ہیں کہ جن روایات کی وجہ سے فروعی مسائل کو آپ نے اختلافات کی بنیاد بنا رکھا ہے ان کو چھوڑیے اور اصل کی طرف آئیے۔

آپ نے مجھے منکر حدیث رسول کہہ کر ایک بہت بڑا جرم کیا ہے جس کی آپ کو خبر ہی نہیں ہے آپ کے لئے اطلاعاً عرض ہے کہ میں بخاری اور مسلم کی من گھڑت روایتوں کا انکاری ہوں لیکن

ان احادیث رسول کا انکاری نہیں جو قرآن میں مذکور ہیں' صدفی صد درست ہیں اور جن کا انکار کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان احادیث رسول کے مجموعے کی ایک حدیث کا انکار اللہ کی نظر میں کفر ہے۔ وہ تمام احادیث رسول جو اللہ تبارک وتعالی نے امت کے لیے ضروری سمجھیں، خود قرآن میں محفوظ فرمادیں۔ آپ وہ تمام مقامات دیکھ لیجیے جہاں اللہ نے رسول کے اقوال واعمال کو قرآن میں نقل کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ کو بخاری ومسلم کی احادیث کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اگر آپ نے محنت کرنی ہے تو پہلے ان احادیث رسول پر محنت کیجیے جن کو اللہ تبارک وتعالی نے خود یکجا کر دیا ہے اور جن پر ایمان لائے بغیر آپ کا مسلمان ہونا بھی ممکن نہیں۔

سچ بتایئے کیا واقعی آپ نے ان تمام مقامات کا مطالعہ کر لیا ہے جہاں اللہ نے قرآن میں رسول کے اقوال واعمال نقل کئے ہیں۔ اگر نہیں تو آج ہی ان آیات کو یکجا کیجیے اور دیکھیے کہ رسالت مآب کی سیرت کس طرح نکھر کر سامنے آتی ہے اور پھر آپ بھی کہہ اٹھیں گے کہ واقعی جن روایات کو ہم رسول سے منسوب کر کے رسول کی احادیث ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے، وہ تو صریحاً قرآن کے خلاف ہیں۔ اس لیے وہ احادیث رسول ہو ہی نہیں سکتیں۔

آیئے اب آپ کے اعتراضات کا جواب حاضر ہے کتابچے کے صفحہ 5 سے اصل مضمون شروع ہوتا ہے جس کی ابتدا میں میری علمی اہلیت پر آپ نے تنقید فرمائی ہے اور اس حوالے سے پہلے گزرے ہوئے گمراہ لوگوں کی بابت بھی ارشاد فرمایا ہے۔ صفحہ 6 پر بھی اس ضمن میں علم کے حصول کو لازمی قرار دیتے ہوئے میری کم مائیگی کی طرف اشارہ ہے اور صفحہ 7 پر مجھ جیسے حضرات کی غلط فہمی کے اسباب کا تجزیہ فرمایا ہے۔

ان سب کو اعتراضات تو نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو آپ کی شخصی رائے ہے اس لئے ان شخصی تنقیدات کا جواب کتابچے کے آخر میں دوں گا۔ البتہ اس جگہ صفحہ نمبر 9 سے شروع کرتا ہوں جہاں

سے اصل موضوع یعنی حدیث بخاری اور مسلم کے غیر معتبر ہونے کا سوال ہے۔

صفحہ 9 پر آپ نے ایک مفروضہ قائم کیا ہے کہ "رسالت مآب کا کام قرآن کی تبین کرنا تھا اور کیونکہ قرآن میں آیا ہے کہ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون" (النحل :44)

"ہم نے آپ کی طرف الذکر اتارا تا کہ آپ لوگوں کو وہ کچھ بیان کریں جو ان کے لئے اتارا گیا ہے تا کہ وہ غور کریں"

آپ کا مفروضہ ہے " کیونکہ قرآن کا بیان رسالت مآب کی ذمہ داری ہے اور یہ بیان ان منسوب اقوال میں موجود ہے جو بخاری اور مسلم وغیرہ کی زینت ہیں اس لئے یہ قرآنی ہتھیار ہے" آپ نے سب سے پہلے ایک مفروضہ قائم کیا کہ رسول کی تبین ان منسوب اقوال میں موجود ہے جو بخاری اور مسلم وغیرہ کی احادیث ہیں اور پھر اس مفروضہ کو لے کر ایک عمارت تعمیر کی کہ صحابہ اور تابعین وغیرہ نے رسول اللہ کے بیان کو کیونکر ضائع کیا ہوگا؟ اس لئے جو بیانات ڈھائی سو سال بعد بخاری اور مسلم نے بیان کئے وہ وہی بیانات ہیں جو رسول نے بیان کئے۔ اس لئے یہ قرآن کا ہتھیار ہے۔ سب سے پہلے تو آپ خود سوچ لیجئے کہ اگر صحابہ نے رسالت مآب کے اقوال محفوظ کئے ہوتے تو ڈھائی سو سال بعد بخاری اور مسلم کو یہ کام کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور ان کے نام سے یہ کتابیں نہ ملتیں بلکہ ان صحابہ کے نام سے کتابیں ملتیں جنہوں نے یہ کام کیا تھا۔

دوسرے یہ کہ جس آیت کو آپ نے اپنے مفروضہ کو قائم کرنے کے لئے پیش کیا اسی آیت سے آپ کی تعمیر کی گئی عمارت دھڑام سے نیچے آ گرتی ہے۔ آپ کا مفروضہ تو اسی آیت سے باطل قرار پاجاتا ہے جس کا آپ نے بھی اعتراف تو کیا ہے لیکن اس پر غور نہیں کیا کہ آپ کہہ کیا گئے؟ آپ نے صفحہ 10 پر سطر نمبر 6 میں خود فرمایا ہے کہ "بیان بھی وہ جو اللہ تعالی نے رسول اللہ کو بتایا اور رسول اللہ نے امت کو بتایا" آپ اپنی ہی بات پر تھوڑا سا غور فرماتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ آپ

نے خود ہی اپنے مفروضہ کی نفی کر دی ہے۔ کیونکہ آپ نے اسی آیت میں رسالت ماب کو اس بات کا پابند کر دیا ہے کہ بیان بھی وہ جو اللہ تعالی نے رسول اللہ کو بتایا ہو۔ "ما نزل الیھم" (وہی کچھ جو لوگوں کی طرف اتارا گیا ہے) یعنی رسالت ماب اس بات کے مجاز نہیں کہ اللہ کے کلام میں کچھ تخفیف یا اضافہ کریں۔ یعنی جس مفروضے کو ثابت کرنے کے لیے آپ نے کئی صفحات کالے کئے آپ نے خود اپنے بیان سے باطل کر دیا۔ آیئے آپ کو قرآن کی دوسری آیات سے بھی دلائل دیتے ہیں تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کی تبین کون کرتا ہے۔

سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 159 میں ارشاد باری تعالی ہے:

"ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعد ما بیناہ للناس فی الکتب اولئک یلعنھم اللہ ویلعنھم العنون"

بے شک وہ لوگ جو ہماری نازل کردہ بینات یعنی الھدی میں سے چھپاتے ہیں باوجود اس کے کہ ہم نے ان بینات کو الکتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر دیا ہے تو پھر ایسے لوگوں پر نہ صرف اللہ لعنت کرتا ہے بلکہ دوسرے لعنت کرنے والے لوگ بھی لعنت کرتے ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالی کلام الہی کی تبین بھی اپنے ہی کلام میں محفوظ فرما دیتے ہیں لیکن یہ علماء حضرات ہی ہوتے ہیں جو اس الہی تبین کو تو پس پشت ڈالتے ہیں اور اس کی جگہ جھوٹی سچی روایات کو سامنے لاتے ہیں اور وہ بھی رسول کے نام پر۔

یعنی اللہ نے کبھی بھی اپنی خود مکتفی کتاب کو انسانوں کے لیے نہیں چھوڑا کہ وہ جھوٹی سچی کہانیوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے اللہ کے کلام کو تختہ مشق بنالیں۔ اگر اس کی مثال دیکھنی ہو تو تفاسیر اٹھا کر دیکھ لیجیے ہر مفسر اپنی عقل کے مطابق کیا کیا رنگ افشانی کرتا ہے۔ ہر تفسیر اپنے سے پہلی تفاسیر سے مختلف ہوتی ہے ایک ہی آیت کے دس دس مختلف اور متضاد مفاہیم بمعہ احادیث کے حوالہ جات بیان کئے جاتے ہیں تا کہ قاری کو مکمل الجھن اور ابہام کا شکار کر کے کہیں کا نہ چھوڑا جائے

اور آخر کار بیچارہ علماء کے رحم کرم پر رہ جائے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہی سچ مان لیا جائے۔

ویسے آج کل ولی کے حوالے سے جو بحث چلی ہوئی ہے اس بات کی مکمل عکاسی کر رہی ہے کہ آج کل مسلمان قرآن سے کتنا دور ہیں اور اس کے ذمہ دار آپ لوگ ہیں جو ان کو روایات کے چکر میں ڈال کر قرآن سے بتدریج دور کئے جا رہے ہیں۔ ولی کے حوالے سے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ اور روایات کے تمام تر حوالے دیئے جا رہے ہیں لیکن کوئی اللہ کا بندہ قرآن کا حوالہ نہیں دیتا کہ الہٰی شریعت میں کیا حکم ہے۔ جسے دیکھو انسانی شریعت کو اٹھائے پھر رہا ہے۔ لیکن کسی کی نظر سے یہ آیت نہیں گزری:

"ام لھم شر کاوٴ اشر عو لھم من الدین مالم یاذن بہ اللہ"

" کیا ان کے لئے ایسے شریک بھی ہیں جو ان کے لئے دین سے شریعت سازی کرتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی" (الشوریٰ: 21)

آپ علماء حضرات اس شریعت سازی کے شرک میں اس بری طرح ملوث ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ تمام تر انسانوں کی فقہ کیا ہیں؟ کیا یہ الہٰی شریعت کے مقابلہ پر انسانوں کی شریعت نہیں ہیں؟ ا ور یہ جرم رسول اللہ سے منسوب روایات کے نام پر کیا جا رہا ہے۔

آیئے آپ کو یہ بھی بتاتے چلیں کہ اللہ نے اپنی آیات کی نہ صرف تبین کی ہے بلکہ اس تبین کی وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔

(i) کذلک یبین اللہ آیتہ للناس لعلھم یتقون

اللہ اسی طرح لوگوں کے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ تقوی اختیار کریں (البقرہ: 187)

(ii) کذلک یبین اللہ آیتہ للناس لعلھم یتذکرون

اللہ اسی طرح لوگوں کے لیے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔(البقرہ:221)

(iii) کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تعقلون

اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ تم عقل سے کام لو۔(البقرہ:242)

(iv) کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تتفکرون

اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ تم غور وفکر کرو (البقرہ:219)

(v) کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تہتدون

اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ تم ہدایت یافتہ بنو(آل عمران:103)

(vi) کذلک یبین اللہ لکم آیتہ لعلکم تشکرون

اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیات بیان فرماتے ہیں تا کہ تم شکر گزار بنو(مائدہ:89)

آپ کے سامنے اللہ کی دوٹوک آیات ہیں جن کے سامنے کسی مفروضہ کی کوئی گنجائش نہیں

ان آیات سے چند نتائج جو سامنے آئے وہ یہ کہ:

(1) اللہ کی آیات کی تبیین خود اللہ نے اسی کتاب میں محفوظ فرمادی ہے۔

(2) اللہ نے اپنی تبیین کے مقاصد بھی بیان فرما دیئے۔

(3) رسالت ماب نے جو کچھ اللہ کی آیات میں محفوظ ہے وہی کچھ بیان فرمانا ہے وہ اپنی طرف سے نہ کم کر سکتے ہیں اور نہ زیادہ۔

خبر احاد

صفحہ 14 پر آپ نے احادیث کی تعداد لاکھوں میں ہونے نہ ہونے کی وضاحت فرمائی ہے۔ آپ کا فرمان بہت بڑا اعتراف ہے کہ اصلاً احادیث کی تعداد لاکھوں میں نہ تھی۔ اب اگر کوئی ضد کرے گا کہ احادیث کی تعداد لاکھوں میں تھی تو ہم آپ کا کتابچہ سامنے رکھ دیں گے کہ بھئی یہ تو ایک عالم کی بات ہے لیکن اگر وہ آپ کو بھی منکر حدیث کہے تو یہ آپ کا مسئلہ ہوگا۔

آپ نے اس کی وجہ بھی بتائی ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ محدثین کی اصطلاح ہے آپ کا ارشاد ہے

"ایک ہی بات کو جب دس واسطوں سے سنا جائے مثلاً زید نے ایک بات دس آدمیوں کو بتائی اور دس واسطوں سے آپ نے سنی تو محدثین کی اصطلاح میں دس باتیں ہوئیں کیونکہ وہ اس بات وخبر میں واسطہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ حدیث میں بھی یہی طریقہ استعمال کرتے ہیں۔ لہذا ایک حدیث کو جب دس بیس واسطوں سے سنتے ہیں تو اس کو دس بیس حدیث شمار کرتے ہیں۔"

چلئے آپ کے اس بیان سے ان سب کہانیوں کا اور اس مبالغہ آرائی کا تو قلع قمع ہوا جو آج تک بخاری اور مسلم کے متعلق علما کہتے نہ تھکتے تھے۔

اب آپ سے ہم یہ سوال پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ:

(۱) بخاری نے لاکھوں اسناد کو کیوں رد کیا؟

(۲) یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ مسلم نے ان احادیث کو اپنی کتاب میں جگہ دی جن کو بخاری نے صحیح نہ سمجھا اور اسی طرح ابن ماجہ اور نسائی وغیرہ نے ان احادیث کو اپنی کتابوں میں جگہ دے دی جن کو مسلم نے بھی صحیح نہ جانا۔

(۳) موجودہ ذخیرہ حدیث بخاری اور مسلم کا مرہون منت ہے۔ اس بات کا کیا

ثبوت ہے کہ انہوں نے صحیح احادیث کو رد نہیں کیا۔ کیا یہ لوگ انسان نہ تھے اور ان سے غلطی نہ ہو سکتی تھی؟

(۴) بخاری نے ان احادیث کو رد کیا جو مسلم اور باقی کتب احادیث میں موجود ہیں۔ کیا بخاری ان احادیث کے منکر نہیں ہیں؟

(۵) کبھی آپ نے اس مبالغہ آرائی پر غور کیا جو بخاری اور مسلم کے متعلق بیان ہوتی ہے کہ انہوں نے لاکھوں احادیث جمع کیں (آپ کے مطابق لاکھوں اسناد) پھر ہر حدیث کو پرکھا، لکھنے سے پہلے غسل کیا اور دو رکعت نوافل ادا کئے اور پھر ان لاکھوں احادیث کو گھٹا کر (آپ کے مطابق اسناد کو گھٹا کر) ہزاروں پر لائے اور پھر قلمبند فرمایا۔ اس کے علاوہ ان کے دور دراز کے سفر، اور قرآن وحدیث کے دروس کے لئے اوقات الگ...... مزید برآں کہ وہ اپنی معاش کے بھی خود مکلّف تھے۔

ظن / یقین

ظن ویقین کی بحث کرتے ہوئے آپ نے ظن بمعنی یقین لئے ہیں۔ چلئے آپ کی بات بغرض محال صحیح مان بھی لی جائے تو آپ سے پھر ہم ایک سوال کریں گے کہ کسی کو سنانے کے بعد آپ قال او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم یا (جیسے رسالت مآب نے کہا ہو) کیوں کہتے ہیں۔ اگر بات سچی ہے اور آپ کو یقین بھی ہے تو اس جملے کے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ یہ رسالت مآب کی شان میں زبردست گستاخی ہے۔ کیونکہ رسالت مآب کی بات کے بعد جو یقینی حد تک سچی ہے، اس طرح کے جملے کہنے کے بعد آپ خود ہی رسالت مآب کی بات کو مشکوک بنا رہے ہیں۔ آپ کو تو چاہئے کہ اعلان کریں کہ احادیث سنانے کے بعد اس جملے کا کہنے والا حدیث پر شک کر

رہا ہے۔لیکن اگر آپ قال او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم کہنا بند نہیں کرتے تو آپ منہ سے جو مرضی آئے کہتے رہیں آپ کے دل میں کھوٹ ہے اور آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ اس بات کو جو رسالت مآب نے نہیں کہی ہے رسالت مآب کی طرف منسوب کرنے کا جرم کر رہے ہیں اور آپ کو یہ بھی بہت اچھی طرح معلوم ہے کہ اللہ یا رسول کی طرف جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرنے والوں کا کیا حشر ہوگا۔

لفظ مباشرت کی بحث

حیرت ہوتی ہے آپ لوگ جب جھوٹ کو سچ ثابت کرنے پر آتے ہیں تو کیا کیا قلا بازیاں کھاتے ہیں۔آپ نے مباشرت کو بوسے لینے اور گلے لگانے اور کذب کو تعریض کے معنی پہنا دیئے ہیں۔

آپ جن مدارس سے فارغ التحصیل ہیں، وہاں یہی کچھ سکھایا جاتا ہے۔اسی لئے اللہ نے مباشرت کے جو معنی دیئے وہ آپ کی سمجھ میں ہی نہیں آئے۔سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 187 میں صیام کی راتوں میں مباشرت کی اجازت دی گئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے۔

"فالن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم"

"پس اب تم مباشرت کرو اور اس کی خواہش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے"

بات بالکل واضح ہے کہ اللہ نے صیام کی راتوں میں جس عمل کی اجازت دی ہے وہ مباشرت ہے اور صرف رات کے اوقات میں ہی چھوٹ ہے نہ کہ دن کے اوقات میں۔

اب غور فرمایئے کہ جس مباشرت سے امت کو صیام یعنی روزہ کے دوران روکا گیا آپ کی حدیث نے رسالت ماب کو اسی مباشرت کا مرتکب قرار دیا۔اور جب آپ سے پوچھا گیا کہ وہ عمل جو امت کے لیے ممنوع ہے اس کو رسالت ماب کس طرح کر سکتے ہیں تو بجائے اس کے آپ یہ کہتے کہ

بخاری سے غلطی ہوگئی آپ نے بخاری کی شخصیت پر تو آنچ نہ آنے دی اور مباشرت کو صرف بوس وکنار تک محدود کر کے ایک ایسا فتویٰ صادر فرمادیا جس سے روزہ کے دوران امت کو بوس کنار کی کھلی چھٹی بھی مل گئی۔

لفظ کذب کی بحث

جس طرح مباشرت کے معنی کو غلط مطلب پہنا کر بخاری کی حدیث کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح آپ نے کذب کے معنی تعریض وغیرہ کر کے ایک اور قلابازی کھائی ہے قرآن کذب کو جھوٹ اور صرف جھوٹ کہتا ہے۔ چند آیات پیش خدمت ہیں۔

(1)۔ فمن اظلم ممن افتری علی الله کذبا اور کذب بایاته

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔(انعام:21)

(2)۔ فمن اظلم ممن افتری علی الله کذبا لیضل الناس بغیر علم

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے تا کہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر علم کے۔(انعام:144)

(3)۔ وقعد الذین کذبو الله ورسوله

اور بیٹھے رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا(توبہ:90)

ویسے تو قرآن میں کتنے ہی مقامات ہیں جو مثال کے لئے پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن سمجھنے کے لئے ایک ہی اشارہ کافی ہوتا ہے اس لئے صرف چند مقامات پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ اب آپ فرمایئے کہ کیا اب بھی مباشرت کو بوس وکنار اور جھوٹ کو تعریض کے معنوں میں ہی لیں گے۔

توریہ / تطبیق اور سیدنا ابراہیم

آپ نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ سیدنا ابراہیم کے حوالے سے جو آپ توریہ اور تطبیق کرتے ہیں وہ ہی میرا موٗقف ہے. الحمدللہ میں توریہ اور تطبیق کی حیلہ سازیوں سے پاک ہوں۔توریہ یا تطبیق کی تو ان کو ضرورت پڑتی ہے جو اللہ کی کتاب کو خود مکتفی نہیں مانتے۔کتاب اللہ کی آیات کو غیر قرآنی اور انسانی علم کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب پھنستے ہیں تو توریہ اور تطبیق کرتے ہیں۔

سیدنا ابراہیم کے حوالے سے عرض ہے کہ سورۃ الصّٰفٰت کی آیت 85 تا 90 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اذقال لابية وقومة ماذا تعبدون. ائفكاالهة دون الله تريدون. فماظنكم برب العالمين.

جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے پوچھا کہ تم کس کی عبدیت تعنی محکومیت اختیار کئے ہوئے ہو؟ کیا اللہ کے ساتھ گھڑے ہوئے معبودوں کو پسند کرے ہو پس تمہارا اس ہستی کے متعلق کیا خیال ہے جو رب العالمین ہے۔

فنظر نظره فی النجوم. فقال انی سقيم.

تو اس نے ستاروں میں دیکھا اور کہا، میں سقیم ہوں

فتولو عنة مدبرين

پس وہ اس سے منہ پھیر کر چلے گئے"۔

ان آیات میں چند باتیں غور طلب ہیں

(i)۔ ستاروں میں دیکھا کس کا فعل ہے؟

(ii)۔ سقم کے معنی کیا ہیں؟

(1)۔ ستاروں میں دیکھا سیدنا ابراہیم کا فعل نہیں ہے بلکہ ان کے باپ کا ہے۔ وہ ستارہ پرست قوم کا فرد تھا اسی لئے جب سیدنا ابراہیم نے پوچھا کہ تمہارا رب العالمین کے متعلق کیا خیال ہے تو اس نے جواب ستاروں کی چال سے معلوم کرنا چاہا۔ لیکن جب وہاں سے کچھ معلوم نہ ہوا تو اس نے کہا کہ میں تنگ آ گیا ہوں۔

(2)۔ سقم کے معنی تنگی، کمی کے ہیں نا کہ بیماری کے۔ جس کے لیے عربی میں لفظ "مرض" موجود ہے۔ جو قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ واذا مرضت فھو یشفین. (شعراء:80)

آپ نے ایک جھوٹی حدیث کے تحت بلا وجہ وہ جملہ جو ایک ستارہ پرست باپ کا تھا، سیدنا ابراہیم کے سر تھوپا اور پھر چلے توریہ اور تطبیق کرنے۔ جس کی وجہ سے آپ نے بخاری کی شخصیت کو تو سچا ثابت کیا لیکن ایک نبی کی شخصیت کو داغدار کیا جس کے لئے قرآن گواہی دے رہا ہے کہ وہ سچا نبی تھا۔

واذکر فی الکتب اِبراھیم انه کان صد یقانبیا

اور الکتاب میں ابراہیم کا ذکر بھی کریں جو بے شک سچا نبی تھا (مریم:41)

اللہ کے واسطے اس توریہ اور تطبیق سے اپنی اور امت کی جان چھڑایئے اور قرآن کو قرآن کی نظر سے دیکھنے کی عادت ڈالیے۔ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔

صفحہ 19 پر آپ نے توریہ کو سمجھاتے ہوئے فرمایا ہے:"تعریض اس کو کہتے ہیں کہ کہنے والا تو اپنے اعتبار سے سچ کہے جب کہ سننے والا اس کو جھوٹ سمجھے تعریض ہی کی ایک قسم توریہ ہے۔ جس میں یہ ہوتا ہے کہ کہنے والا کسی لفظ کا استعمال ایک اعتبار سے کر رہا ہوتا ہے اور مخاطب اس کو دوسرے اعتبار سے سمجھ رہا ہوتا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بادشاہ کو بتایا کہ وہ میری بہن ہے۔ حضرت ابراہیم نے اس سے دینی بہن مراد لیا جب کہ بادشاہ نے ان کو نسبی بہن سمجھا۔ اس کو

توریہ کہتے ہیں''

سیدنا ابراہیم تو وہ جلیل القدر نبی ہیں جن کی تعریف جتنی کی جائے کم ہے۔ قرآن نے متعدد مقامات پر مختلف انداز سے ان کی مدح و تعریف کی ہے اور اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے کہ ان کو امام الناس کا لقب اور منصب عطا کیا گیا۔

آپ ایسے نبی کے ساتھ ذومعنی بات کو منسوب کر رہے ہیں جن کے متعلق ذومعنی بات کو منسوب کرنا تو دور کی بات ہم سوچنا بھی گوارہ نہیں کریں گے۔ سیدنا ابراہیم تو اللہ کے چنیدہ نبی تھے۔ ہم تو آپ کے متعلق بھی یہ امید نہیں رکھتے کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے اصلاً معنی کچھ اور ہوں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ آپ نے کتابچے میں جو کچھ لکھا ہے وہی کچھ ہے جو آپ عقل و شعور سے صحیح سمجھ رہے ہیں۔ اور آپ نے کسی توریہ کے تحت ذومعنی الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں کسی بھی شریف اور ایماندار شخص سے یہ توقع نہیں کر سکتے کہ وہ اس طرح ذومعنی لفظ استعمال کر کے دوسروں کو دھوکے میں ڈالے رکھے گا۔

اس توریہ پر مبنی معاشرہ منافقوں کا معاشرہ تو ہو سکتا ہے جہاں توریہ کے پردہ میں منافق اپنے دل کی بات چھپائے رکھے لیکن اول العزم مومنوں کا نہیں۔ مومن تو صاف، کھری اور سچی بات کہتا ہے اور پھر اس پر ڈٹ جاتا ہے۔

سیدنا ابراہیم کے حوالے سے بخاری کی لگائی گئی تیسری تہمت کا بھی جائزہ لے لیں اور اس جھوٹ کو بھی صاف کر دیں تاکہ اللہ کے یہاں آپ کے خلاف حجت قائم کر سکیں کہ یہی وہ عالم ہیں جو حدیث رسول کے نام پر انبیاء کو پہلے جھوٹا کہتے ہیں اور پھر توریہ کے ذریعے اس جھوٹ کی تطبیق کرتے ہیں یعنی یہ دوہرے مجرم ہیں۔ ایک تو رسالت ماب کا نام لے کر جھوٹ بولتے ہیں اور دوسرا یہ کہ جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے توریہ اور تطبیق کا سہارہ لے کر انبیاء کرام کی عصمت کو داغدار کرتے ہیں یعنی عذر گناہ بدتر از گناہ

اور ہم نے عالم نہ ہونے کے باوجود اپنی مقدور بھر کوشش کر لی کہ انبیاء کرام کی عصمت سے وہ داغ جو ان عالموں نے لگائے تھے، ہٹا سکیں۔

سورۃ الانبیاء کی آیت 62 میں سیدنا ابراہیم کے حوالے سے ذکر ہے کہ انہوں نے بتوں کو توڑا اور جب قوم واپس لوٹی تو دیکھا کہ بت ٹوٹے پڑے ہیں۔ اس پر قوم نے سیدنا ابراہیم سے پوچھا۔

ء انت فعلت هذا بالهتنا يا ابراهيم۔

اے ابراہیم، کیا تو نے ہمارے الہوں کے ساتھ یہ کیا ہے؟

جس کے جواب میں سیدنا ابراہیم نے کہا۔

قال بل فعله

بلکہ کرنے والے نے یہ کام کیا ہے

اس آیت میں ایک لفظ "بل" آیا ہے جسکے معنی ماقبل جملے کی نفی کے لیے، لیے گئے ہیں جب کہ "بل" پہلے جملے کی نفی نہیں "بل" اثبات کے لیے استعمال ہوا ہے جیسے کہ سورۃ الانبیاء میں رسالت مآب کے لیے آتا ہے۔

بل قالوا اضغاث احلام بل افتراه بل هو شاعر

بلکہ انہوں نے کہا یہ تو خواب پریشان ہیں، بلکہ یہ تو اس نے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ ہے ہی شاعر۔(انبیاء:5)

دیکھیے اس آیت میں "بل" تین جگہ آیا ہے اور ہر جگہ ماقبل جملے پر زور دینے کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی رسالت مآب پر وہ خواب پریشان کا الزام لگانے کے بعد کہتے تھے کہ بلکہ یہ تو اس سے بھی زیادہ کی بات ہے کہ اس نے اسے گھڑ لیا ہے اور نہ صرف گھڑا ہے بلکہ یہ شاعر ہے یعنی "بل" کا استعمال کا ماقبل کی نفی کے لئے نہیں بلکہ اس میں مزید اضافے کے لئے استعمال ہوا

ہے۔

اسی طرح سیدنا ابراہیم نے بھی نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ زور دیا ہے کہ ہاں یہ کام واقعی ایک کرنے والا ہی کر گیا ہے"

اور یہاں بات مکمل ہوگئی ہے۔ لیکن آپ کو یہ شک نہ ہو جائے کہ "ایک کرنے والا کر گیا ہے "میں پھر بھی ابہام ہے کہ واقعی سیدنا ابراہیم نے اس فعل کو کہیں کسی اور کی طرف تو منسوب نہیں کر دیا۔

جی نہیں، یہ بات نہیں ہے کیونکہ سیدنا ابراہیم نے بتوں کو توڑنے سے پہلے یہ بات علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رکھی تھی کہ میں تمہارے بتوں کا حشر کرنے والا ہوں۔ میں نے ان کے ساتھ ایک تدبیر کرنی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے آیت نمبر 57 میں سیدنا ابراہیم نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے پہلے ہی کیا کہہ رکھا تھا۔

تاللہ لاکیدن اصناعکم بعد ان تولو امدبرین

اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کے ساتھ جب کہ تم موجود نہ ہوگے لازم ایک تدبیر کروں گا۔

اور وہ تدبیر کیا تھی؟ اگلی آیت ہی بتارہی ہے۔

فجعلهم جزذا لاکبیر لهم

پس انہوں نے ان کے بڑے کو چھوڑ کر باقی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

آپ دیکھ لیجئے کہ یہ کام علی الاعلان ہوا تھا۔ اس میں کوئی جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اس لیے کہ سب کو معلوم تھا کہ یہ کام سیدنا ابراہیم کا ہی کیا ہوا ہے۔ اور اس بات کی شہادت سورۃ الانبیاء کی اگلی ہی آیت دے رہی ہے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ یہ کام کون کر سکتا ہے تو ان لوگوں نے جنہوں نے سیدنا ابراہیم کا یہ اعلان سن رکھا تھا۔ کہا

قالو اسمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم

انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک لڑکے کو جس کا نام ابراہیم ہے ان بتوں کے متعلق کہتے سنا ہے۔ یعنی بتوں کو توڑنے کا کام کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی جس کے لیے جھوٹ کا سہارہ لیا جاتا۔ یہ کام سیدنا ابراہیم نے پہلے سے ایک سکیم کے تحت کیا جس کا اعلان انہوں نے سرعام ڈنکے کی چوٹ پر کیا اور جس کا علم لوگوں کو تھا۔ اسی لیے سیدنا ابراہیم کا نام لیا گیا۔ سیدنا ابراہیم سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے اس کام کے کرنے کی نفی نہیں کی بلکہ "بل فعله" کہ ہاں یہ کام تو ایک کرنے والا ہی کرسکتا ہے یعنی اس کام کرنے کی ہمت والے نے ہی کام کیا ہے۔ کسی چھوٹے موٹے انسان کے بس کا یہ کام نہیں ہے۔ اس کو تو کوئی مرد میداں ہی کرسکتا ہے۔

"کبیر هم هذا" مرکب اشاری ہے اور کیونکہ مشار الیہ مرکب اضافی ہے اس لیے مقدم ہے۔ مشار الیہ مقدم اپنے اسم اشارہ متاخر سے مل کر مرکب اشاری ہے جس کا ماقبل آیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ دونوں آیات کے درمیان وقف حائل ہے۔ حدیث کے زیر اثر وقف کو نظر انداز کیا گیا اور جب مصیبت میں پھنسے تو یہ کہنے کی بجائے کہ بخاری کی حدیث جھوٹی ہے۔ جھوٹ کی تہمت سیدنا ابراہیم پر لگادی اور پھر اس کو ثابت کرنے کے لیے توریہ اور تطبیق کا سہارا لینا پڑا۔

میری کم علمی

میں کبھی اس زعم میں نہیں رہا کہ میں عالم ہوں۔ میں نے چند اعتراضات سامنے رکھے ہیں۔ اگر آپ علمی لحاظ سے ان کا جواب دے سکتے تو نہ صرف مجھ پر بلکہ پوری امت پر احسان عظیم ہوتا۔

آپ جب عمارت بنواتے ہیں تو انجینئر سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ گھر کے درودیوار ٹیڑھے نہیں بنائے گا۔ اگر وہ گھر کو مضبوط بنیادوں پر اٹھانے کی بجائے ریت کے ٹیلے پر اٹھائے تو آپ ایسے انجینئر کو انجینئر ہی نہیں کہیں گے خواہ اس کے پاس دنیا جہاں کی سندیں کیوں نہ

ہوں۔ اتنا تو حق آپ محفوظ رکھتے ہیں کہ آپ اس انجینئر سے پوچھیں کہ تم نے عمارت کی بنیادیں ریت پر کیوں رکھیں؟

اسی طرح آپ لوگ جو اپنے آپ کو عالم کہلوانا پسند کرتے ہیں ہم کو اتنا حق تو دیں کہ ہم آپ سے پوچھ سکیں کہ آپ دین کی بنیاد قرآن کی بجائے قصے کہانیوں پر کیوں رکھتے ہیں، آپ قرآن کی تعلیم کی بجائے ایسی تعلیم کیوں دیتے ہیں جو قرآن کے خلاف ہے اور جس سے باکردار شخص کی بجائے ایک منافق کا تصور سامنے آتا ہے۔

عالم تو صرف اسی کو کہا جا سکتا ہے جو دین کی بنیادوں کو استوار کرے۔ ایسے مدرسے جہاں سے ایسے علماء نکلیں جو انبیاء کرام کی عصمت کو داغدار کریں اور پھر توریہ اور تطبیق کے ذریعے اسے ثابت کرنے کی بھی جسارت کریں، اللہ کے خود مکتفی کلام میں نقص تلاش کر کے انسانوں کی وضاحتوں کا محتاج بنائیں اور ان وضاحتوں کو رسول اللہ کی غلط بیانی اور حیلہ سازیوں سے منسوب کریں۔ تو اللہ ایسے مدارس سے اور ان مدارس سے فارغ التحصیل علماء سے محفوظ رکھے۔

قرآن آسان ہے

جہاں تک آسان ہونے کا تعلق ہے ہم نے قرآن سے اللہ کا اعلان جو سورۃ القمر میں چار جگہ مذکور ہے آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ قرآن مشکل ہے تو آپ پورے قرآن سے ایک آیت یا ایک آیت کا حصہ ہی دکھا دیجئے جو اس بات پر دلالت کرے کہ قرآن مشکل ہے، ہم فوراً مان لیں گے کہ قرآن مشکل ہے۔

جہاں تک علم حاصل کرنے کا تعلق ہے اور جس کے متعلق آپ نے سورۃ توبہ کی آیت نمبر 122 کا حوالہ دیا ہے، ہمارا آپ سے پورا اتفاق ہے کہ علم ضرور حاصل کرنا چاہئے اور یقیناً رسالت مآب کے فرائض منصبی میں تھا لیکن علم وہ ہونا چاہئے جس کی بنیاد اللہ کے کلام پر ہو۔ علم کی

صفت بغاوت نہ ہو۔ یعنی علم وہ حاصل کرنا چاہئے جو کلام اللہ سے بغاوت نہ کرے جس میں جھوٹ کی آمیزش کا امکان نہ ہو، جس پر شک کی گنجائش نہ ہو۔ یعنی العلم کی بنیاد قرآن ہو نہ کہ انسانوں کے خود ساختہ عقائد پر مبنی وضاحتیں جن سے انبیاء کے کردار کو داغدار کیا جائے۔

مستند مدارس

آپ نے مجھے تو مذہبی علوم سے نابلد قرار دیا۔ الحمد للہ کہ میں ایسے مدرسوں کے قریب بھی نہیں پھٹکا ورنہ میرا حال بھی وہی ہوتا جو ایسے مدرسوں سے فارغ التحصیل علماء کا ہوتا ہے کہ اپنے رسولوں پر جھوٹ اور شہوت رانی اور دھوکہ دہی کے الزامات عائد کرنے کے بعد پھر توریہ اور تطبیق کرتا پھرتا۔

آپ نے تو علماء کو بھی نہ چھوڑا جو انہی مستند مدارس کے نہ صرف فارغ التحصیل ہیں بلکہ ایک مقام بھی رکھتے ہیں جیسے استاد امین احسن اصلاحی اور علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی۔ آپ کا رویہ تو ان علماء کے متعلق بھی صحیح نہیں ہے۔ اب اگر فکر دیوبند کے مدارس بھی اس لائق نہیں ہیں کہ ان کے فارغ التحصیل علماء کو مستند کہا جائے تو آپ کی نظر میں صرف آپ ہی کا مدرسہ قابل اعتبار ہے۔ اور کیا پتہ کہ آپ کے مدارس سے نکلنے والا بھی عقل استعمال کر بیٹھا اور اس نے بھی تحقیق کے بعد وہی بات کہہ دی جو ان دو علماء نے کہی ہے تو پھر کیا ہوگا؟

صفحہ نمبر 21 پر آپ نے قرآن کی حقانیت کو احادیث کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

مجھے حیرت ہے کہ آپ نے پھر ایک مفروضہ قائم کر لیا لیکن دلیل کے لئے ایک آیت بھی پیش نہ کی۔ آیئے دیکھتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا

"یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کہیں سے ہوتا تو اس میں

اختلاف ہی اختلاف ہوتے" (النساء:82)

لیکن مستند مدارس کے علماء تو آیت کا صریحاً کفر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قرآن میں اختلاف ہے۔اب آپ ہی بتائیے کہ ایسے مستند مدارس سے نکلنے والے سند یافتہ علماء کو کیا کہا جائے گا؟

آپ نے بھی بجائے اس کے کہ اللہ کے کلام سے کوئی سند لاتے وہی سنی سنائی باتوں پر مفروضہ قائم کرکے احادیث کے ساتھ قرآن کے برحق ہونے کو نتھی کر دیا۔

اللہ نے اپنے کلام کو انسانوں کا محتاج نہیں بنایا۔ اللہ کا کلام خود منہ بولتا ثبوت ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔اور اس کلام کو بخاری کی احادیث کی طرح ڈھائی سو سال بعد انسانوں کی مہربانی سے نہیں محفوظ کیا گیا بلکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا۔

انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحفظون

بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔(الحجر:9)

آپ احادیث کے زیر اثر یہ نہ کہہ دیجئے گا کہ قرآن بھی رسالت مآب کے جانے کے بعد جمع کیا گیا ورنہ ہم آپ کو قرآن سے ہی یہ بھی ثابت کر دیں گے کہ رسالت مآب خود اس کو اسی ترتیب میں دے گئے تھے جس میں آج یہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

احادیث کے پرانے نسخے

آپ نے چندان احادیث کے مجموعوں کے متعلق ذکر کیا ہے جو بخاری اور مسلم سے پہلے کے ہیں۔

تو جناب آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ ان کو سامنے لائیے دنیا کو بھی معلوم ہو جائے گا

کہ اس دعوے میں کتنی سچائی ہے۔

آیئے چلتے چلتے آپ کے لیے کلام اللہ اور بخاری اور مسلم کی احادیث کا موازنہ پیش کیے دیتے ہیں۔

کلام اللہ	بخاری و مسلم وغیرہ کی احادیث
1۔سورۃ رعد کی آیت نمبر 30 کے حوالے سے وحی صرف وہی ہے جس کی تلاوت کی جائے اس لئے قرآن ہی کی تلاوت کی جاتی ہے۔	بخاری اور مسلم وغیرہ کی نہ کبھی تلاوت کی گئی اور نہ ہوتی ہے۔
2۔سورۃ النساء کی آیت نمبر 82 کے حوالے سے اللہ کے کلام میں کہیں تضاد نہیں۔	بخاری اور مسلم وغیرہ تضادات سے بھری پڑی ہیں۔
3۔سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 85 کے حوالے سے اللہ کے کلام کے کسی حصے کو بھی مسترد نہیں کر سکتے۔	بخاری و مسلم وغیرہ کے وہ حصے جو علماء کی نظر میں ان کے عقائد کے مطابق صحیح نہیں، مسترد کیے جاتے رہتے ہیں۔
4۔سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 23 اور بنی اسرائیل کی آیت نمبر 88 کے حوالے سے اللہ کے کلام کی مثل نہیں بنائی جاسکتی۔	بخاری اور مسلم وغیرہ انسانی کلام ہے اور وہ احادیث جن کو محدثین موضوع قرار دے چکے ہیں انسانی کلام کی آمیزش تھیں اور یہ کتر بیونت آج بھی جاری ہے۔
5۔سورۃ طارق کی آیت نمبر 13 کے حوالے سے کلام اللہ قطعی ہے جو قول فیصل ہے۔	احادیث بخاری و مسلم وغیرہ قول و فیصل نہیں۔

6۔سورۃ المومن کی آیت نمبر 78 کے حوالے سے اگر رسول بھی چاہے تو وحی خود نہیں اتار سکتا۔	احادیث کا وجود بخاری و مسلم وغیرہ کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔
7۔سورۃ حم السجدہ کی آیت نمبر 41 کے حوالے سے کلام اللہ میں کوئی آمیزش نہیں ہو سکتی۔	بخاری اور مسلم وغیرہ میں آمیزش کی بھرمار ہے۔
8۔سورۃ المائدہ کی آیت نمبر 67 کے حوالے سے جو بھی رسالت مآب کی طرف اتارا گیا وہ پہنچانا لازم تھا۔ ورنہ ان کی رسالت مکمل نہ تھی۔ اس لئے انہوں نے قرآن کو مکمل پہنچایا اور قرآن ہی رسالت ہے۔	بخاری اور مسلم وغیرہ کو رسالت مآب مرتب شکل میں دے کے نہیں گئے اور ڈھائی سو سال بعد ان کا وجود میں آنا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ رسالت مآب حتی کہ ان کے اصحاب کی بھی ذمہ داری نہ تھی۔
9۔سورۃ یٰسین کی آیت نمبر 69 کی رو سے جو العلم رسالت مآب کو دیا گیا وہ صرف قرآن ہے۔	بخاری اور مسلم وغیرہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہیں۔